رسالہ

تحقیقاتِ اسلامی

زیر نگرانی

مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

مرتب

مولانا محمد صغیر قاسمی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انجمن دعوت الی الحق کیرانہ ضلع شاملی کا

علمی، دینی، تحقیقی واصلاحی ترجمان

برقی رسالہ

تحقیقاتِ اسلامی

جلد (۱۴) صفر وربیع الاول ۱۴۴۸ھ مطابق اگست ۲۰۲۶ء شمارہ (۲)

زیرنگرانی

حضرت مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

بانی ومہتمم جامعۃ السعادۃ کیرانہ وصدر انجمن دعوت الی الحق

مرتّب

محمد صغیر قاسمی

09897855010

sagheerqasmi@gmail.com

ترسیل کے لیے رابطہ کریں: محمد معظم رحمانی قاسمی 09359602830

موبائل نمبر: 09359602830 ای میل: tahqiqateislami2011@gmail.com

ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

خط وکتابت کا پتہ:

دفتر ماہنامہ "تحقیقاتِ اسلامی"

جامعۃ السعادۃ

محلہ ابراہیم پورہ (آل کلاں) شاملی روڈ کیرانہ ضلع شاملی (یوپی) انڈیا

Add: Office Tahqiqat-e-Islami
Jamiatus Sa'adah, Moh.Ibrahimpura
(Aal Kalan) Shamli Road, Kairana
Distt. Shamli (U.P.) India
A/c No. 3023002100004803
TAHQIQAT-E-ISLAMI
Punjab National Bank, Branch: Kairana

ناشر

تحقیقاتِ اسلامی

۲۴۱ آل خورد (ملتانیان) کیرانہ ضلع شاملی (یو۔پی) ۲۴۷۷۷۴

آئینہ

صریرخامہ

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ	محمدصغیرقاسمی پرتاپ گڑھی	(۳)

درس قرآن

تفسیر سُوْرَةُ الْحَاقَّة	مولانامحمدعرفان ثاقب قاسمی	(۶)

مقالات ومضامین:

ماہ ربیع الاول اور حب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	مولانامحمدعرفان ثاقب قاسمی	(۱۰)
نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معاشرتی زندگی	مولاناسفیان علی فاروقی	(۱۳)
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معاشی زندگی	اختر راہی	(۱۵)
خوارق ومعجزات اور سائنس	مولانابدیع الزمانؒ	(۲۱)
کرپٹوکرنسی	عمرانور بدخشانی	(۲۶)
خودکشی	چاہت محمدقریشی قاسمی	(۲۸)
قربِ قیامت کے فتنے	محمدعادل ارریاوی	(۳۳)
سائنس اورقرآن	مولاناثمیرالدین صاحب قاسمی	(۳۵)

یادرفتگاں

شیخ الادب حضرت مولانااعزازعلی صاحب	ابوطہ محمدصغیرپرتاپ گڑھی	(۳۹)
فقہ وفتاوی	ادارہ	(۴۳)

افسانہ

قصہ چہاردرویش	میرامن دہلوی	(۴۵)

صریر خامہ

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ أُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ

محمد صغیر پرتاپ گڑھی

رحمت عالم، فخر دو جہاں، محسن انسانیت، محبوب کبریاء، پیغمبر خدا، محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے مقاصد میں سے ایک مقصد، آپ کی پاکیزہ اور ہر جہت و ہر پہلو سے کامل و مکمل زندگی و سیرت کو، امت کے لیے اسوہ اور آئیڈیل بنانا بھی ہے، تاکہ امت آپ کے افعال واقوال اور اخلاق کو پیش نظر رکھتے ہوئے زندگی گذارے اور دنیا وآخرت دونوں جہاں کی کامیابیاں وکامرانیاں حاصل کرے۔

بلاشبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاکیزہ زندگی ہی اس لائق ہے کہ اسے اسوہ اور آئیڈیل کے طور پر پیش کیا جاسکے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسی ہمہ جہت باکمال، بااخلاق اور بافیض شخصیت نہ کوئی پیدا ہوئی اور نہ ہوگی، جس کی تعلیمات زندگی کے ہر شعبے میں رہنمائی کرسکیں اور جس کا اسوہ زندگی کے ہر شعبے سے متعلق مستند ومعتبر طور پر موجود ہو۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاکیزہ زندگی اور سیرت، انسان کے سامنے ایک ایسی جامع وکامل تصویر پیش کرتی ہے جس میں انسانی زندگی میں پیش آنے والے تمام مراحل اور مسائل کا حل موجود ہے۔ یتیموں اور غریبوں کے لیے بھی آپ کا اسوہ موجود ہے اور دولت مندوں وصاحب اقتدار لوگوں کے لیے بھی، تاجروں کے لیے بھی اور مزدوروں واجیروں کے لیے بھی، پڑھے لکھے لوگوں کے لیے بھی اور غیر تعلیم یافتہ لوگوں کے لیے بھی، بادشاہوں، جنرلیوں وکمانڈروں کے لیے بھی اور عام شہریوں کے لیے بھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقر سے بھی گزرے اور اقتدار تک بھی پہنچے؛ تجارت بھی کی اور محنت ومشقت کی زندگی بھی دیکھی؛ مظلومیت بھی برداشت کی اور فتح بھی حاصل کی؛ مسجد میں عبادت بھی فرمائی اور ریاست کی قیادت بھی کی؛ گھر کے اندر شوہر، باپ اور مربی کی حیثیت سے زندگی گزاری اور باہر ایک عظیم معاشرے کے قائد کی حیثیت سے ذمہ داریاں بھی ادا کیں۔

اگر کوئی غریب ہے تو اسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں صبر، قناعت اور عزتِ نفس کا نمونہ ملتا ہے۔ اگر کوئی مال دار ہے تو اسے مال کے استعمال، سخاوت اور ایثار کا راستہ دکھائی دیتا ہے۔ اگر کوئی تاجر ہے تو اسے صداقت اور امانت کا معیار ملتا ہے۔ اگر کوئی مزدور ہے تو اسے محنت کی عظمت نظر آتی ہے۔ اگر کوئی حکمران ہے تو اسے عدل، شوریٰ، رعایا کی خیر خواہی اور جواب دہی کا شعور ملتا ہے۔ اگر کوئی سپہ سالار ہے تو اسے طاقت کے استعمال کے اخلاقی اصول ملتے ہیں۔ اگر کوئی مظلوم ہے تو

اسے صبر، استقامت اور امید کا چراغ ملتا ہے۔ اور اگر کوئی فاتح ہے تو اسے یہ عظیم سبق ملتا ہے کہ اصل فتح، دشمن کو زیر کرنا نہیں بلکہ اس کے دلوں کو فتح کرنا ہے۔ آپ ﷺ کی زندگی کا مکی دور اس حقیقت کی ایک روشن مثال ہے۔ وہ دور جب آپ ﷺ کے پاس دنیاوی اعتبار سے کوئی اقتدار نہ تھا، کوئی لشکر نہ تھا، کوئی خزانہ نہ تھا، کوئی ظاہری قوت نہ تھی؛ لیکن آپ ﷺ کے پاس حق تھا، صداقت تھی اور اللہ پر کامل اعتماد تھا۔ مکہ کی گلیاں آپ ﷺ کی مظلومیت کی گواہ بنیں، طائف کے راستوں نے آپ ﷺ کے زخم دیکھے، شعبِ ابی طالب نے آپ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کی بھوک و مشقت کا مشاہدہ کیا، مگر مصیبت کی کوئی آندھی آپ ﷺ کے عزم کو متزلزل نہ کر سکی اور اس اعلیٰ اخلاق و کردار پر کوئی گرد نہ بیٹھ سکی جس کا آپ نمونہ تھے۔

پھر تاریخ نے کروٹ لی۔ وہی انسان جسے اپنے وطن سے گھر بار چھوڑ کر ہجرت کرنا پڑی تھی، ایک دن فاتح کی حیثیت سے اسی شہر میں داخل ہوا۔ وہ شہر جس نے آپ ﷺ کو قبول نہیں کیا تھا، اب آپ ﷺ کے سامنے تھا۔ وہ لوگ جنہوں نے آپ ﷺ کے راستے میں کانٹے بچھائے تھے، آج آپ ﷺ کے اختیار میں تھے۔ جن ہاتھوں نے آپ ﷺ کے خلاف تلواریں اٹھائی تھیں، وہ آج آپ ﷺ کے فیصلے کے منتظر تھے۔

یہی وہ مرحلہ ہے جہاں دنیا کے فاتحین اور آپ ﷺ کے درمیان فرق نمایاں ہوجاتا ہے۔ عام فاتح، فتح کے بعد اپنے دشمنوں سے انتقام لیتا ہے؛ لیکن آپ ﷺ نے فتح کے بعد عفو کا دروازہ کھولا۔ عام فاتح ماضی کا حساب چکاتا ہے؛ آپ ﷺ نے مستقبل کی بنیاد رکھی۔ عام فاتح شکست خوردہ قوم کو ذلت دیتا ہے، آپ ﷺ نے مغلوب انسانوں کو عزت دی اور "**لا تثریب علیکم الیوم اذھبوا فأنتم الطلقاء**" کا واضح اعلان فرمایا۔ یہی وہ مقام ہے جہاں سیرتِ نبوی ﷺ تاریخ سے بلند ہوکر اخلاق کا ابدی معیار بن جاتی ہے اور انسانی تاریخ ہمسری سے قاصر نظر آتی ہے۔ آپ ﷺ نے ثابت کیا کہ طاقت کا سب سے اعلیٰ استعمال انتقام نہیں، رحمت ہے؛ اقتدار کی سب سے بڑی آزمائش دوسروں کو زیر کرنا نہیں، بلکہ نظامِ عدل کو قائم کرنا اور انسانی مساوات کا درس دینا ہے، اور فتح کی سب سے بڑی علامت دشمن کی تذلیل نہیں، انسانیت کی سربلندی ہے۔

الغرض آپ ﷺ کی سیرت کسی ایک میدان کی سیرت نہیں؛ یہ مکمل انسانی زندگی کی سیرت ہے۔ اور یہی وہ جامعیت ہے جس کی مثال انسانی تاریخ میں کسی دوسری شخصیت کے یہاں نہیں مل سکتی۔ پھر زندگی میں پیش آمدہ خوشی و غمی کے تمام حالات میں، جس امانت و دیانت، حق و صداقت کی حمایت، اعلیٰ اخلاق و کردار کا مظاہرہ، پاکدامنی و پاکیزگی کا نمونہ اور ایفائے عہد و حسن سلوک کا معاملہ، آپ کی طرف سے رہا، جس کی گواہی اپنوں ہی نے نہیں، بلکہ غیروں اور جانی دشمنوں نے بھی دی، اور امین و صادق کہنے پر مجبور ہوئے، بلاشبہ وہ بھی آپ ہی کا امتیاز تھا، نہ آپ سے پہلے کوئی ان اعلیٰ اخلاق و کردار کا نمونہ انسانیت کے سامنے پیش کر سکا اور نہ آپ کے بعد۔ گویا رب کریم نے آپ کی تعلیم و تربیت کا اس طور پر انتظام فرمایا کہ

آپ کی کامل سیرت ،نوع انسانی کے لیے ایسا اسوہ بن جائے کہ وہ اپنی زندگی کے ہر موڑ پر اس سے اعلی رہنمائی حاصل کر سکے۔

چودہ صدیاں گزر گئیں، کتنے نام ور پیدا ہوئے جو آج بے نام ہیں، سلطنتیں مٹ گئیں، تہذیبیں بدل گئیں، زبانیں تبدیل ہوگئیں، دنیا کے نقشے کئی بار نئے سرے سے بنے اور مٹے، مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام، آپ کا انسانیت کا پیغام، آپ کی پاکیزہ سیرت اور اعلی تعلیمات آج بھی اسی طرح زندہ و تابندہ ہیں، جس طرح ماضی میں تھیں اور آج بھی ظلم و جور سے سسکتی انسانیت کے لیے نجات آپ کی انھیں تعلیمات پر عمل کرنے میں منحصر ہے، جن تعلیمات پر عمل کر کے خیر القرون کے لوگوں نے کامیابی و کامرانی حاصل کی تھی۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنایا جائے، آپ کی تعلیمات کو عام کیا جائے اور اپنی زندگی اس کے مطابق گزاری جائے، نسل نو کے سامنے آپ کی ذات اقدس کو اور آپ کی اعلی تعلیمات کو بطور آئیڈیل و نمونہ پیش کیا جائے۔ ہماری گفتگو میں سیرت کی خوشبو ہو، ہمارے معاملات میں سیرت کی صداقت ہو اور ہماری نسلِ نو کے فکری افق پر، کسی ناچ گانے والے ہیرو اور عارضی ستاروں کے بجائے، آفتابِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور جلوہ گر ہو۔

یاد رہے اصل آئیڈیل وہ ہے جس کی زندگی انسان کو انسان بنائے۔ اصل رہنما وہ ہے جس کے نقشِ قدم پر چل کر دل میں خدا کی عظمت، کردار میں پاکیزگی، معاملات میں دیانت، طبیعت میں رحمت و شفقت اور زندگی میں مقصد پیدا ہو اور ایسا آئیڈیل تاریخ کے کسی گوشے میں گم نہیں؛ وہ ہمارے ایمان کے مرکز میں موجود ہے۔

"لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔"

(بلاشبہ تمہارے لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات میں بہترین نمونہ ہے۔)

****

"قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ ٱللَّهَ فَٱتَّبِعُونِى يُحْبِبْكُمُ ٱللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَٱللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ" (آل عمران: ۳۱)

(اے نبی) آپ (لوگوں سے) فرما دیجیے کہ اگر تم (بزعم خود) خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو (اور محبت رکھنے کی وجہ سے یہ بھی چاہتے ہو کہ خدا تعالیٰ بھی تم سے محبت کرے) تو تم لوگ (اس مقصد کے حاصل کرنے کے طریقوں میں) میرا اتباع کرو (کیونکہ میں خاص اسی تعلیم کے لئے مبعوث ہوا ہوں جب ایسا کرو گے) خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے اور تمہارے سب گناہوں کو معاف کر دیں گے (کیونکہ میں اس معافی کا طریقہ بھی تعلیم کرتا ہوں، اس پر عمل کرنے سے لامحالہ حسب وعدہ گناہ معاف ہو جائیں گے، مثلاً گناہوں سے توبہ اللہ تعالیٰ کے حقوق جو فوت کئے ہیں ان کو پورا کرنا، حقوق العباد کا ادا کر لینا یا معاف کرا لینا) اور اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے اور بڑی عنایت فرمانے والے ہیں۔) معارف القرآن۔

سُوْرَۃُ الْحَاقَّۃ

مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَٰبَهُۥ بِيَمِينِهِۦ فَيَقُولُ هَآؤُمُ ٱقْرَءُوا۟ كِتَٰبِيَهْ ○ إِنِّي ظَنَنتُ أَنِّي مُلَٰقٍ حِسَابِيَهْ ○ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَّاضِيَةٍ ○ فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ○ قُطُوفُهَا دَانِيَةٌ ○ كُلُوا۟ وَٱشْرَبُوا۟ هَنِيٓـًٔا بِمَآ أَسْلَفْتُمْ فِي ٱلْأَيَّامِ ٱلْخَالِيَةِ ○

ترجمہ:

سوجس کو ملا اس کا لکھا داہنے ہاتھ میں وہ کہتا ہے لیجیو پڑھیو میرا لکھا۔ میں نے خیال رکھا اس بات کا کہ مجھ کو ملے گا میرا حساب۔ سو وہ ہیں من مانتے گزران میں۔ اونچے باغ میں۔ جس کے میوے جھکے پڑے ہیں۔ کھاؤ اور پیو رچ کر بدلہ اس کا جو آگے بھیج چکے ہو تم پہلے دنوں میں۔

تفسیر

"فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَٰبَهُۥ بِيَمِينِهِۦ فَيَقُولُ هَآؤُمُ ٱقْرَءُوا۟ كِتَٰبِيَهْ"۔ (سوجس کو ملا اس کا لکھا داہنے ہاتھ میں وہ کہتا ہے لیجیو پڑھیو میرا لکھا۔) قیامت کے لانے کا مقصد انسانوں کو جزاء وسزا سے گزارنا ہے۔ چنانچہ اس جزاء وسزا کی کسی حد تک تفصیل بیان فرماتے ہوئے سب سے پہلے اہل ایمان کا حال بیان کیا ہے، کہ جو شخص ایمان وعمل کا سرمایہ لے کر پہنچے گا، اس کا نامۂ عمل ان کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا اور وہ دیکھتے ہی خوشی سے اچھل پڑے گا اور جس طرح کسی شخص کو ایوارڈ ملے تو وہ اپنے دوستوں کو خوشی اور فخر سے دکھاتا ہے، اسی طرح وہ بھی دوسروں سے کہے گا کہ یہ لو میرا اعمال نامہ پڑھو۔

قرآن کریم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کا جب آخری وقت آتا ہے، تو وہیں سے مومن اور کافر کی شناخت بھی قائم ہوجاتی ہے اور اسی وقت سے فرشتوں کا دونوں سے سلوک بھی مختلف ہوجاتا ہے۔ نیک آدمی کی روح کسی اور طرح سے نکالی جاتی ہے اور برے آدمی کی روح کچھ اور طرح سے۔ دونوں کا استقبال کرنے والے فرشتے بھی الگ الگ ہوتے ہے ہیں۔ قبر میں بھی دونوں کے ساتھ معاملہ جدا جدا ہوتا ہے۔

نیک انسان کے ساتھ اس طرح سلوک کیا جاتا ہے جیسے مہمان کے ساتھ کیا جاتا ہے اور برے انسان کے ساتھ اس طرح کا، جیسے حوالاتی مجرم کے ساتھ پولیس کرتی ہے۔ اور پھر میدانِ حشر میں دونوں کو الگ الگ حیثیت سے لے جایا

جائے گا۔نیک آدمی کو پہلے سے اندازہ ہوگا کہ میں کسی سزا کے لیے نہیں بلکہ انعام کے لیے پیش کیا جارہا ہوں۔ چنانچہ جیسے ہی نامۂ عمل وصول کرنے کا وقت آئے گا تو وہ خوشی سے دایاں ہاتھ آگے بڑھائے گا۔ کیونکہ انعامات ہمیشہ دائیں ہاتھ سے وصول کیے جاتے ہیں۔البتہ اللہ تعالیٰ کی بے نیازی کی وجہ سے بڑے سے بڑا شخص بھی فی الجملہ پریشانی اور بے چینی کا شکار ہوگا۔لیکن جب اس کی توقع کے مطابق دائیں ہاتھ میں اس کا اعمال نامہ دیا جائے گا تو وہ خوشی سے جھوم اٹھے گا۔

''هَآؤُمُ اقْرَءُوا كِتٰبِيَهْ''...... ''هَآؤُمُ'': اہل نحو کے نزدیک ''خذوا'' کے معنی میں ہے، جمع کے لیے بولا جاتا ہے۔اس کا معنی ہوتا ہے''لو''۔آج کی زبان میں کہا جاتا ہے کہ''ھا'' کی حیثیت محض ایک آواز کی ہے۔جیسے اردو زبان میں ''اوئے'' یا''اف'' کہا جاتا ہے۔لیکن یہ اس موقع پر بولتے ہیں جب کہنا ہو''یہ لو''۔''ھَا'' اور''اَقْرَءُوا'' کے بیچ میں''ؤُمُ'' محض اس خلاء کو بھرنے کے لیے ہے جو دونوں کے بیچ میں ہے۔''كِتٰبِيَهْ''اس کے آخر میں''ھا'' سکتہ کی ہے، جو محض قافیے کی رعایت کے لیے ہے۔جیسے بعض دفعہ آخر میں الف،اشباہ کا لگا دیا جاتا ہے۔(روح القرآن)

''إِنِّي ظَنَنتُ أَنِّي مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ''(میں نے خیال رکھا اس بات کا کہ مجھ کو ملے گا میرا حساب۔)

عربی زبان میں''ظن''،جس طرح محض گمان کے معنی میں آتا ہے،اسی طرح غالب گمان اور یقین کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ یہاں غالب گمان یا یقین کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔جس مومن کو اعمال نامہ داہنے ہاتھ میں ملے گا وہ اپنے دوستوں کو دکھاتا ہوا،خوشی اور اعتماد سے یہ بات کہے گا کہ میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ اعزاز حاصل کرنے میں اس لیے کامیاب ہوا ہوں کہ مجھے دنیا میں اس بات کا یقین تھا کہ قیامت کا تصور محض ایک افسانہ نہیں،ایک یقینی عقیدہ ہے۔ہم یقیناً ایک نہ ایک دن اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کیے جائیں گے۔ یہ زندگی اسی روز کی تیاری کے لیے ہمیں دی گئی ہے۔ چنانچہ میں نے اسی یقین سے بہرہ ور ہو کر اس روز کی تیاری جاری رکھی اور آج اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔اعمال نامے کا دہنے ہاتھ میں دیا جانا، یہ دراصل اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کرم فرمایا ہے اور مجھے اپنے مقبول بندوں میں شامل فرمالیا ہے۔(ایضاً)

حساب کا یقین رکھنے کے بعد نیک اعمال کرنا لازم ہے،اس لیے حساب پر یقین ظاہر کرنے سے در پردہ اس کی مراد ہے نیک اعمال کرنا۔یعنی وہ کہے گا اسی لیے تو میں نے اچھے عمل کیے تھے مگر اظہار عجز کے طور پر صراحۃً وہ یہ بات نہیں کرے گا یہی اعتراف فروتنی اس کا باعث ہوگا کہ وہ یقین کو ظن سے تعبیر کرے گا۔اللہ علام الغیوب کے سامنے یقین کا دعویٰ کرنے سے اس کو اپنی ذات کا استحقار روکے گا۔ بیضاوی نے لکھا ہے کہ چونکہ علوم نظریہ وسوسوں سے خالی نہیں ہوتے اس لیے یقین کی تعبیر بلفظ ظن (غالب خیال) کرنے سے شاید اس امر کا اظہار مقصود ہے کہ اعتقاد میں نفسانی وسوسوں سے خرابی نہیں ہوسکتی۔ (عقیدہ نظری علم ہوتا ہے اور علم نظری میں وسوسہ پیدا ہونا لازم ہے لیکن یہ وسوسہ مخل نہیں ہوسکتا)۔

ابن مبارک نے بروایت ابوعثمان نہدی بیان کیا کہ مؤمن کو اللہ کی طرف سے دوسروں سے چھپا کر اعمالنامہ دیا

جائے گا، اپنی بداعمالیوں کو پڑھ کر اس کا رنگ بدل جائے گا، پھر نیکیوں کو پڑھے گا تو رنگ لوٹ آئے گا، پھر جو اس کی نظر پڑے گی تو دیکھے گا کہ اس کی بداعمالیوں کو نیکیوں سے بدل دیا گیا ہے (برائیوں کی جگہ بھلائیاں لکھ دی گئیں) اس وقت وہ کہے گا لو میرا اعمالنامہ پڑھو۔ (مظہری)

"فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَّاضِيَةٍ۔ فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ۔" (سو وہ ہیں من مانتے گزران میں۔ اونچے باغ میں۔)

اعمال نامے کا دائیں ہاتھ میں ملنا گویا جنت میں داخلے کی علامت کہیئے یا سرٹیفکیٹ۔ اس کے بعد کے مراحل آسانی سے سر ہو جائیں گے۔ آخر یہ خوش قسمت جنت میں پہنچ جائے گا۔ اس جنت کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہاں انسان کو وہ زندگی، وہ ماحول، وہ سہولت اور وہ نعمتیں میسر آئیں گی جو اس کے لیے دل پسند ہوں گی۔ وہ جس چیز کی خواہش کرے گا چاہے وہ آج کی دنیا میں ناممکنات میں سے ہو، وہ اسے فوراً عطا کر دی جائے گی اور کسی نعمت کے زوال یا خلاف طبیعت کسی امر کے ظہور کا اندیشہ تک نہیں ہوگا۔ ہر خوشی دائمی ہوگی اور ہر مسرت اندیشۂ زوال سے پاک ہوگی۔ یہ وہ زندگی ہے جو بادشاہوں کو بھی دنیا میں نصیب نہیں ہو سکتی۔ لیکن اہل جنت میں سے ہر شخص اسی زندگی سے بہرہ ور ہوگا۔

اہل جنت کو جن باغوں میں رکھا جائے گا وہ ہر لحاظ سے بلند و بالا ہوں گے۔ اپنی قیمت، اپنی قامت، اپنی وجاہت، اپنی صورت، ہر لحاظ سے ان کی مثال نہیں ہوگی۔

اس کے پیڑ اور درخت تو یقینا بلند و بالا ہوں گے، لیکن اس کے پھل اور خوشے جو اصل مطلوب ہیں وہ نہایت قریب ہوں گے۔ اہل عرب جن باغوں کو بہت بیش قیمت اور بہت خوبصورت سمجھتے تھے، ان کے کنارے کنارے کھجوروں کی قطاریں اور بیچ بیچ میں اناروں کے درخت اور انگوروں کی بیلیں ہوتی تھیں۔ شاید اسی ذوق کی تسکین کے لیے عالیہ اور دانیہ دو صفات لائی گئی ہیں۔ اور ویسے بھی کسی بھی باغ کی اس سے زیادہ اور خوبصورتی کیا ہو سکتی ہے کہ وہ بلندی پر ہو، اس کے پودے سرو قامت ہوں، لیکن اس کے خوشے سروں پر لٹک رہے اور دسترس کے اندر ہوں۔ (روح القرآن)

"قُطُوفُهَا دَانِيَةٌ" (جس کے میوے جھکے پڑے ہیں) جو کھڑے بیٹھے، لیٹے، ہر حالت میں نہایت سہولت سے چنے جا سکتے ہیں۔ (عثمانی)

"كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا أَسْلَفْتُمْ فِي الْأَيَّامِ الْخَالِيَةِ" (کھاؤ اور پیو رچ کر بدلہ اس کا جو آگے بھیج چکے ہو تم پہلے دنوں میں) یعنی دنیا میں تم نے اللہ کے واسطے اپنے نفس کی خواہشوں کو روکا تھا اور بھوک پیاس وغیرہ کی تکلیفیں اٹھائی تھیں، آج کوئی روک ٹوک نہیں، خوب رچ پچ کر کھاؤ پیو، نہ طبیعت منغص ہوگی نہ بدہضمی نہ بیماری نہ زوال کا کھٹکا۔ (عثمانی)

اہلِ جنت کو بلند و بالا باغوں میں اتار کر یہ کہا جائے گا کہ تم نہایت اطمینان، خوشدلی اور چاہت سے جنت کی نعمتیں کھاؤ اور پیو۔ یہاں کی نعمتیں تمہارے لیے کسی مشکل کا باعث نہیں ہوں گی۔ دنیا میں انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے ہزاروں نعمتیں دے رکھی ہیں، لیکن ضروری نہیں کہ ہر نعمت ہر کھانے والے کے لیے آسودگی کا باعث ہو۔ بعض چیزیں بعض عوارض کے سبب

بعض لوگ نہیں کھا سکتے۔ شوگر کا مریض میٹھی چیزوں سے بچتا ہے اور بلڈ پریشر کا شکار نمک سے پرہیز کرتا ہے، معدے کے امراض میں مبتلا پرہیزی غذا کھانے پر مجبور ہوتے ہیں۔ یہ تو عوارض کی مجبوریاں ہیں۔

لیکن جن لوگوں کو کسی طرح کے عوارض درپیش نہیں ہوتے وہ بھی غذا نہایت احتیاط سے لیتے ہیں۔ جانتے ہیں کہ اس کی وجہ سے جسم بھاری ہوسکتا ہے اور کئی عوارض پیدا ہوسکتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ جنت میں تمھیں جو نعمتیں عطا فرمائے گا ان میں سے ہر نعمت ہر کھانے والے کو آسودگی دے گی۔ کوئی نعمت کسی کھانے والے کے لیے کسی طرح کی مشکل پیدا نہیں کرے گی۔ اس کی کثرت وقلت کسی مسئلے کا باعث نہیں ہوگی۔

نعمتوں کا استعمال جن مسائل کو جنم دیتا ہے ان میں ایک تو وہ مسائل ہیں جو جسم سے تعلق رکھتے ہیں جس کا ابھی ہم ذکر کر چکے ہیں، لیکن ایک مسئلہ وہ ہے جس کا تعلق انسان کی روح، اس کے ایمان اور اس کی عاقبت سے ہے۔ یعنی اگر نعمت سے فائدہ اٹھانے والا اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتا ہے اور نعمت دینے والے کا حق پہچانتا ہے تو وہ نعمت اس کے لیے ایمان میں اضافے اور آخرت میں اجر وثواب کا باعث بنتی ہے اور اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نعمتوں میں اضافہ بھی فرماتا ہے۔ لیکن اگر وہ شکر بجا نہیں لاتا بلکہ کفرانِ نعمت کرتا ہے اور نعمت دینے والے کا حق نہیں پہچانتا بلکہ اس نعمت کو اپنی ذاتی ملکیت سمجھ کر من مرضی اختیار کرتا ہے، تو یہی نعمت اس کے لیے وبال کا باعث بن جاتی ہے اور آخرت میں جوابدہی مشکل ہوجائے گی۔ ان دونوں حوالوں سے یہاں ارشاد فرمایا جارہا ہے کہ جنت کی نعمتیں نہ تمھارے لیے جسمانی مسائل پیدا کریں گی اور نہ اس میں کفرانِ نعمت کا کوئی اندیشہ ہوگا۔

اس آیت کریمہ میں ایک اور بات ارشاد فرمائی گئی ہے جو اہل جنت کے لیے سرمایۂ افتخار بھی ہے اور شکر کا موقع بھی۔ وہ بات یہ ہے کہ اہل جنت کو جن نعمتوں سے نوازا جائے گا، اسے اپنے فضل کا نتیجہ قرار نہیں دیا، حالانکہ اہل جنت کا جنت میں دخول اور وہاں نعمتوں کی بارش یقیناً اللہ تعالیٰ کے فضل کے سوا کچھ نہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ اہل جنت کے احساس کو سرشار کرنے اور ان کے مقام ومرتبہ کو بلند کرنے کے لیے ارشاد فرمائے گا کہ یہ جو کچھ تمھیں ملا ہے یہ تمھارے اعمال کا صلہ اور تمھارے کارناموں کا نتیجہ ہے۔ جس طرح ایک مزدور اجرت پاکر ایک خاص قسم کے اعتماد سے بہرہ ور ہوکر مسرت اور شادمانی کے جھولے میں جھولنے لگتا ہے یہی کیفیت اہل جنت کی بھی ہوگی۔ (روح القرآن)

۞۞۞

ماہ ربیع الاول اور حب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

موسم بہار، ماہ ربیع الاول کی فضیلت وشرف کے لیے اتنی ہی بات کافی ہے کہ اسی ماہ میں سید الکونین خاتم النبیین رحمت عالم محسن انسانیت ہادی انس وجاں محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی، یہ خود بھی خزاں کے ختم ہونے اور موسم بہار کی آمد کا مژدہ لے کر آتا ہے، پھر آمدِ حضور بہاراں، نورعلی نور۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی اور اس ماہ مبارک کے درمیان بڑی مناسبت ہے۔ موسم بہار لوگوں کے لیے خوشیاں لاتا ہے، رحمت بھری بارشیں ہوتی ہیں، اس موسم میں کھیت کھلیان، بیل بوٹے، غنچے پودے، پھل و پھول اور اشجار سب اپنے شباب پر ہوتے ہیں، نشاط اپنے عروج پر ہوتی ہے، خزاں کا اثر زائل ہوجاتا ہے۔ یہی حال ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ہے کہ آپ سراپا رحمت بن کر آئے، کفر وشرک اور ظلم وجور کی چکی میں پس رہی انسانیت کو، عدل وانصاف سے واقف کرایا، مردہ دلوں میں نور ایمان کی باد بہاری پیدا کی، اور جہالت کی خزاں کے مارے ہوئے لوگوں کے لیے بصورت بہار، مژدہ امن وامان بن کر آئے، آپ کی آمد سے رب کریم کی رحمتیں اور برکتیں برسیں، ہر اک چہرہ اور ہر ایک دل اطمینان کے ساتھ گلاب کے پھول کی مانند کھل گیا، لوگ اپنی زندگی کے مقصد کو سمجھ کر پرعزم ہوئے، دنیا وآخرت کی سرسبزی وشادابی سے سرخ رو ہوئے، بلاشبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد ہزار ہا بہاروں سے افضل ہے۔

اس لیے اس ماہ مبارک کا تقاضا یہی ہے کہ حبیب خدا کی محبت اور اس کی یاد میں اس ماہ کو کثرتِ عبادات واعمال صالحہ سے مزین کیا جائے اور جو عظیم نعمتیں اللہ نے ہم پر اتاری ہیں اس کا بہت شکر ادا کیا جائے، کم از کم حقِ واجب اس ماہ کا یہ ہے کہ اس میں خلاف سنت کوئی فعل نہ کیا جائے، مکروہات وبدعات سے بچا جائے، ہر وہ کام جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچ سکتی ہو اس سے بہت دور رہا جائے، ان کی لائی ہوئی مبارک شریعت کے خلاف کسی ادنیٰ عمل سے بھی گریز کیا جائے۔ مگر افسوس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کا آپ ہی کا نام لے کر مذاق اڑانے والوں پر۔

یہ عقل کے اندھے! معاصی وبدعات اور خلاف شریعت امور کا ارتکاب کر کے عشق مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ کرتے ہیں، جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حقیقتاً محبت کا تقاضا یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک ایک سنت اور آپ کی لائی ہوئی شریعت کے ایک ایک حکم کی اتباع کی جائے:

لو کان حبک صادقا لأطعته　　　　ان المحب لمن یحب مطیع

(ترجمہ: اگر تیری محبت سچی ہوتی تو محبوب کی اطاعت کرتا، بے شک محبت کرنے والا اپنے محبوب کا اطاعت گزار ہوتا ہے۔)

بلا شبہ شیطان مردود نے لوگوں کے لیے بدعات ومنکرات اور نفسانی خواہشات کو مزین کر رکھا ہے اور بہت سے لوگ اس کے آلہ کار بن کر اسی کی اتباع کرتے ہیں خصوصاً اس ماہ مبارک میں آپ ﷺ کے نام پر ایسی ایسی بدعات وخرافات کا ارتکاب کرتے ہیں کہ اللہ کی پناہ۔ چند ایک بدعات وخرافات یہاں ذکر کی جارہی ہیں:

عید میلاد النبی یا بارہ وفات منانا۔ آپ ﷺ کی ولادت باسعادت بروز پیر ماہ ربیع الاول، عام الفیل میں ہوئی، اس بات پر تقریباً پوری امت کا اتفاق ہے۔ مگر کس تاریخ کو ہوئی اس بابت اختلاف ہے۔ بعض کی رائے ہے کہ آپ کی پیدائش ۲ ربیع الاول کو ہوئی اور بعض کا کہنا ہے کہ ۸ ربیع الاول کو ہوئی۔ ماہر فلکیات علامہ ابن پاشا کی تحقیق کے مطابق آپ ﷺ کی ولادت ۹ ربیع الاول، مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء کو ہوئی۔ (نورالیقین ص14، 15) اکثر علماء نے اسی کو راجح قرار دیا ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ کی وفات بروز پیر ہوئی، اس پر بھی تقریباً اتفاق ہے، لیکن تاریخ کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض حضرات نے ۱۳ ربیع الاول سن ۱۱ھ بمطابق ۸ جون ۶۳۳ء کی تاریخ کو راجح قرار دیا ہے۔ معلوم ہوا کہ ہمارے دیار میں جو یہ مشہور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ ولادت اور تاریخ وفات ۱۲ ربیع الاول ہے، یہ بات متفق علیہ نہیں ہے۔

معلوم ہوا کہ اولاً یہ دعوی کہ آپ کی ولادت باسعادت ۱۲ ربیع الاول کو ہوئی، غلط ہے۔ پھر اس تاریخ کو جشن منانا، عید منانا، آپ ﷺ کے نام پر جلوس نکالنا اور اس سب کو دین کا حصہ سمجھنا، اور آپ ﷺ سے محبت کا معیار قرار دینا، سب غلط اور گمراہی ہے۔ نہ تو نبی اکرم ﷺ نے اس کا حکم دیا اور نے آپ ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ میں کبھی منایا، پھر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے زیادہ آپ ﷺ سے محبت کرنے والا کون ہوسکتا ہے، جب انھوں نے اور ان کے بعد تابعین وسلف صالحین نے آپ ﷺ کی ولادت کی مناسبت سے کوئی جشن یا عید نہیں منائی، تو کس کو حق ہے کہ دین میں ایک نئی بات پیدا کرے اور دو عیدوں پر تیسری عید کا اضافہ کرے۔ بلاشبہ یہ بدعت اور گمراہی ہے۔

اس جشن ولادت اور میلاد کا آغاز تو سب سے پہلے قاہرہ میں باطنی فرقے کے پیروکار گمراہ اور بددین فاطمیوں نے چوتھی صدی میں کیا، پھر چھٹی صدی میں عراق کے شہر موصل کا ایک فضول خرچ بادشاہ مظفر الدین اٹھا اور اس میلاد کی رسم کو عام کیا، اس کو ایک درباری ملا عمر بن وحید ابوالخطاب کی تائید حاصل تھی، اس کے کہنے پر اس بادشاہ نے میلاد کا انعقاد کیا، یہ بے دین بادشاہ ہر سال میلاد کے نام پر لاکھوں روپے خرچ کرتا تھا۔ معلوم ہوا کہ بددینوں اور گمراہوں نے عام مسلمانوں کو گمراہ کرنے اور انھیں ایک غلط راستہ پر ڈالنے کی نیت سے یہ سلسلہ شروع کیا۔ پس یہ دین یا دینی کام نہیں ہے۔

پھر عید میلاد النبی کے نام پر جو جلوس نکالا جاتا ہے، یہ کئی اور بدعات کا سبب بنتا ہے، بلکہ بہت سے حرام امور کا ارتکاب ہوتا ہے: (۱) آلات موسیقی اور ڈھول کا استعمال۔ (۲) کلام اللہ کے ساتھ استہزاء، (یعنی مخلوط جلسوں میں قرآن کی

تلاوت اور آلات موسیقی ساتھ ساتھ)۔(۳)عورت کا آراستہ ہوکر نکلنا اور مردوں کا فتنے میں پڑنا۔(۴)مرد اور عورت کا اختلاط، جوکہ تمام فواحش کی جڑ ہے۔(۵)مال کا بے جا اسراف۔(۶)سڑکیں گلیاں بند ہونے کی وجہ سے لوگوں کو مشکلات و تکالیف کا سامنا۔(۷)ان جلسوں اور جلوسوں میں مشغول ہونے کی وجہ سے فرض نمازوں کا چھوڑنا۔(۸)یہود و نصاریٰ کے ساتھ مشابہت۔(۹)خانہ کعبہ اور مدینہ منورہ کی شبیہ بنا کر اس کو گلیوں کوچوں میں نصب کرنا اور پھر اس کا طواف کرکے تبرک حاصل کرنا۔(۱۰)ان جلسوں میں موضوع (من گھڑت) روایات و احادیث کا پڑھنا۔(۱۱)مدحِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں حد سے تجاوز کرجانا، حتی کہ نبی کو اللہ کی صفات میں برابری کا درجہ دینا (نعوذ باللہ من ذلک)(۱۲)یہ عقیدہ رکھنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک ان کے ذکر کے وقت حاضر ہوتی ہے اور وہ عبادات کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں وغیرہ۔

اسی طرح اس تاریخ کو جشن عید میلاد النبی کا نام دے کر، کھانے وغیرہ میں جو تکلفات سے کام لیا جاتا ہے اور باطل ترغیبات سے من گھڑت رسوم کے نام پر مال خرچ کرنے کے لیے لوگوں کو ابھارا جاتا ہے یہ بھی درست نہیں ہے۔

تعجب اس بات پر ہے کہ جو ایسا نہ کرے اسے یہ لوگ ربیع الاول کی حق تلفی کرنے والا شمار کرتے ہیں۔ یاد رہے اگر یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بابرکت روح کی نذر مانتے ہیں تو یہ گمراہی ہے، اس لیے کہ یہ مخلوق کی نذر ہے اور مخلوق کی نذر جائز نہیں۔(البحر الرائق:2/520)اور اگر ان کا عقیدہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روح ہر جگہ حاضر و ناظر ہے اور وہ ہمارے اعمال کو دیکھ کر راضی ہوتے ہیں تو یہ کفر ہے۔(البزازیہ:6/326)

اس تاریخ کی بدعات میں سے ایک مہلک بدعت قبروں کی زیارت ہے، اس دن کو خاص کرکے قبروں کی زیارت کرنا مطلقاً مرد و عورت سب کے لیے منع ہے، پھر قبروں پر چراغاں کرنا، شمعیں جلانا، ڈھول کی تھاپ پر سریلی آواز میں نغمے گانا، عورتوں و مردوں کا مخلوط اجتماع اور قبروں پر پھول کی پتیاں خوش بو وغیرہ بکھیرنا ان کی اس بدعت کو قبیح بلکہ اقبح بنادیتا ہے۔ اور جہاں تک عورتوں کا قبر کی زیارت کے لیے جانا ہے تو وہ مکروہ ہے، بلکہ اس زمانے فتنہ و فساد کی وجہ سے ناجائز و حرام ہے۔(عمدۃ القاری:8/70)

ترمذی شریف میں ہے:”**عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال، لعن رسول اللہ ﷺ: زائرات القبور والمتخذین علیها المساجد والسرج**“(**باب کراهیة أن یتخذ علی القبر مسجداً، رقم الحدیث:32**)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کی زیارت کرنے والیوں اور قبروں کو سجدہ کرنے والوں اور وہاں چراغاں کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔

افسوس کہ اس پُرفتن دور میں بدعت کے اندر پڑنا نہایت آسان اور سنت پر چلنا انتہائی مشکل ہوگیا ہے، خلافِ شریعت عمل بہت سہل اور اسلام پر عمل بڑا کٹھن ہے۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ ہمیں بدعات و منکرات سے بچائے اور سنت نبوی پر چلاتے ہوئے ہمارے ایمان کی حفاظت فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معاشرتی زندگی

ہمارے موجودہ مسائل کا حقیقی حل

مولانا سفیان علی فاروقی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثتِ مبارکہ کے بعد چند ہی سالوں میں دنیا کا معاشرتی نقشہ بدل گیا۔ تاریخ آج بھی ورطۂ حیرت میں ہے کہ اتنا بڑا معاشرتی انقلاب چند سالوں میں کیسے ممکن ہوا؟ وہ معاشرتی انقلاب اتنا جامع و مکمل تھا، اتنا کامل واکمل تھا، اتنا بہترین اور لازوال تھا کہ پندرہ سو سال بعد بھی اگر کائناتِ انسانی میں کسی آئیڈیل معاشرے کی مثال دی جاتی ہے تو کیا اپنے، کیا پرائے، سب کے سب نبوی معاشرے کی مثال دیتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معاشرتی اصلاحات

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اردگرد موجود لوگوں کی معاشرت کو دنیا کے لیے نمونہ بنانا تھا، اور ان کی معاشرت کو بہتر سے بہترین بنایا، یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محنت ہی تھی کہ جو لوگ معاشرتی بدحالی کا شکار تھے، وہی لوگ معاشرتی زندگی کے لیے کسوٹی اور پیمانہ بن گئے۔ وہی معاشرہ نبوی اصلاحات کی بدولت دنیا کا بہترین اور آئیڈیل معاشرہ کہلایا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کے دلوں سے ایک دوسرے کی نفرت کو نکال کر ایک دوسرے کے لیے محبت بھر دی، بلکہ اس سے بھی آگے ایثار اور قربانی کا جذبہ پیدا کر دیا کہ اپنی ذات اور ضروریات پر دوسرے مسلمان کی ضروریات مقدم لگنے لگیں، اپنی جان سے زیادہ دوسرے مسلمان کی جان عزیز ہونے لگی اور خون کے پیاسے محبت کے خوگر بن گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی معاشرت کو ایسا سنوارا کہ وہ چرواہے جنہیں تہذیب وتمدن کا سرے سے پتا ہی نہیں تھا، دنیا نے انہی کے تمدن سے اپنے معاشروں کے خطوط استوار کیے، انہی چراغوں سے روشنی لے کر اپنے عہدوں کو روشن کیا، انہی کے قدموں سے علم کے وہ سُوتے پھوٹے کہ آج تک معاشرت اور عمرانیات کے علوم ان کے در کے ریزہ چیں ہیں۔

نبوی معاشرے کے بنیادی اجزاء میں سے ایک امر بالمعروف ونہی عن المنکر تھا، نیکی کی تلقین اور برائی سے روک تھام، نبوی معاشرے کا ہر فرد اس عمل سے چوبیس گھنٹوں میں کبھی بھی غافل نہیں ہوتا تھا، اسی وجہ سے اس معاشرے میں کرائم لیول زیرو تھا، نہ صرف کرائم لیول زیرو تھا، بلکہ اسی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی برکت سے نبوی معاشرہ جسمانی بیماریوں سے بھی محفوظ تھا۔ اسی طرح نبوی معاشرہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے "**تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ**" پر کھڑا کیا تھا کہ نیک کاموں میں ایک دوسرے کا بھرپور ساتھ دینا اور برے کاموں میں بالکل بھی ساتھ

نہیں دینا، اس سے معاشرہ اخلاقی برائیوں سے بالکل پاک ہو گیا تھا۔ اسی طرح دین پر عمل کرنے کا جذبہ تمام کاموں اور تمام جذبوں پر غالب تھا، دینی تقاضا آنے کے بعد اُن کے ذاتی تقاضے دور کہیں پیچھے رہ جاتے تھے، اسی طرح نبوی معاشرے کی ایک خاصیت یہ تھی کہ ان میں ایمانداری، خوفِ خدا، خشیتِ الٰہی، عفوو درگزر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، جس سے ان کی معاشرتی خوبصورتی کو چار چاند لگے اور وہ ایک مکمل متمدن معاشرہ کہلوایا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معاشرتی زندگی

نبوی معاشرے کی جتنی بھی خوبصورتیاں ہم اوپر پڑھ کر آئے ہیں، ان سب کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف تبلیغ نہیں کی، بلکہ خود عمل کر کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو سکھلایا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشرتی زندگی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے عملی نمونہ تھی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم احکاماتِ الٰہی پر عمل پیرا ہونے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کہیں زیادہ آگے اور مستعد تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشرتی زندگی پر کوئی صاحبِ فکر و دانش انگلی نہیں اُٹھا سکتا، اتنی جامع و مکمل معاشرتی زندگی دنیا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی کو عطا ہی نہیں کی گئی، حسنِ معاشرت کے تمام چشمے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں سے پھوٹے۔ دنیاوی سطوت واُخروی نجات کی تمام جہتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ پا میں پنہاں ہیں۔ آج کی جاں بلب انسانیت کو بھی نبوی تعلیمات اور نبوی معاشرت کی ضرورت ہے، ہمارا معاشرہ انسانیت کے لیول سے نیچے گر چکا ہے، تعلیم میں ہم دنیا سے بہت پیچھے ہیں، صحت میں بھی بہت پیچھے ہیں، نظامِ عدل وانصاف میں پہلے سو ممالک میں ہمارا نام نہیں، گڈ گورننس نام کی چیز موجود نہیں، طاقتور اور کمزور کے لیے قانون کی الگ الگ تشریحات کی جاتی ہیں۔

غرض معاشرتی بدحالی اور اخلاقی زبوں حالی کی ریڈ لائن عبور کر چکے ہیں، ایسے میں بہت زیادہ ضروری ہے کہ ہم نبوی معاشرت کو آئیڈیل بنائیں اور انہی خطوط پر اپنے معاشرے کی تشکیل کریں۔

رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معاشی زندگی

اختر راہی

تاریخِ عالم پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ہی وہ بے نظیر ہستی ہے جس کی زندگی کا ایک ایک گوشہ تاریخ کی روشنی میں منور ہے۔ حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ علیہم السلام کی زندگی کے بارے میں تورات وانا جیل کے غلط سلط بے ربط واقعات کے علاوہ کچھ دستیاب نہیں ہے، اور ان واقعات کی غلطی قرآن کریم میں واضح کی گئی ہے۔ مہاتما بدھ کی زندگی اساطیر میں الجھی ہوئی ہے۔ زرتشت کی شخصیت کا یہ حال ہے کہ ان کے تاریخی وجود ہی پر شک کیا جانے لگا ہے۔ اس کے برعکس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا ایک ایک لمحہ تاریخی ریکارڈ میں محفوظ ہے۔ نہ صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی محفوظ ہے بلکہ وہ لوگ جو ان کی زندگی کے عینی شاہد ہیں ان کی سیرت و کردار بھی صفحاتِ تاریخ پر ثبت ہے۔ اسپرنگر نے ٹھیک ہی کہا ہے کہ اس فن میں دنیا کی دوسری کوئی قوم مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سماجی زندگی میں 'معاش' ایک اہم پہلو ہے اور سیرت کی کتابوں میں بچپن سے لے کر رحلت تک کی معاشی مصروفیات کا تذکرہ موجود ہے۔ انہی تاریخی معلومات کو ترتیب سے پیش کیا جاتا ہے۔ تاہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معاشی زندگی کا مطالعہ کرنے سے پہلے جزیرۃ العرب کے جغرافیائی حالات پر سرسری نظر ڈال لینا ضروری ہے۔

جغرافیائی حالات:

جزیرۃ العرب سے مراد وہ پورا جزیرہ نما ہے جس کے ایک طرف بحرِ احمر، دوسری طرف بحرِ روم، تیسری طرف فارس اور جنوب میں بحرِ عرب ہے۔ شمال میں کہدستان کی پہاڑیاں اسے ترکی سے جدا کرتی ہیں اور مغرب میں نہر سویز افریقہ سے علیحدہ کرتی ہے۔ شمالاً جنوباً پورٹ سعید (العریش) سے عدن تک طول پندرہ سو میل، اور شرقاً غرباً سویز سے فرات تک عرض چھ سو میل ہے۔ کل رقبہ تیرہ لاکھ مربع میل ہے۔ جزیرۃ العرب کا سارا علاقہ مسطح نہیں۔ کہیں کہیں کوہستانی سلسلے موجود ہیں۔ بڑا حصہ لق ودق صحرا ہے۔ شمالی حصے میں شام اور سعودی عرب کا درمیانی علاقہ وسیع ریگستان ہے جسے اہل عرب ''بادیہ شام'' اور غیر عرب ''بادیہ عرب'' کہتے ہیں جنوبی حصے میں یمن، عمان اور یمامہ کے درمیان دوسرا ناقابلِ بود و باش بے آب و گیاہ صحرا ہے جسے 'ربع الخالی' کہا جاتا ہے۔ اس صحرا کی ایک نوک بحرین اور نجد سے گزر کر صحرائے شام میں داخل ہوجاتی ہے۔ اس صحرا کا مجموعی رقبہ اڑھائی لاکھ مربع میل ہے۔ 'ربع الخالی' کے جنوبی حصے میں تھوڑی سی بارش سے کچھ ہریالی ہوجاتی ہے۔ خانہ بدوش قبیلوں کے اونٹوں کا گزارہ اسی ہریالی پر ہے اور یہ قبائل سبزے کی تلاش میں سارا سال گھومتے پھرتے ہیں۔ گستاولی بان لکھتا ہے:

پیداوار اور زراعت: ''اس ملک کے خطوں کی آب وہوا مختلف ہے۔ اس کی پیداوار بھی مختلف ہے۔ اس میں

گرم اور معتدل دونوں ملکوں کی چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔عربستان کے شاداب خطوں میں تقریباً وہ سب میوہ جات اور غلّے موجود ہیں جو یورپ میں پیدا ہوتے ہیں۔یمن کے خطے میں زراعت خوب ہوتی ہے لیکن کاشتکاروں کو محنتِ شاقہ کرنی پڑتی ہے کیونکہ ہمیشہ زمین کو سیراب کرنے کی ضرورت ہے اور اس کام کے لئے بارش کا پانی کنوؤں اور حوضوں میں جمع کیا جاتا ہے۔یمن اپنی زرخیزی اور شادابی کی وجہ سے قدیم ایّام سے بیرونی لوگوں کی توجہ کا مرکز رہا ہے۔بحرِ احمر کے ساتھ ساتھ عیسر کا علاقہ بھی سرسبز ہے یہاں کبھی کبھی بارش ہوجاتی ہے اور سبزہ اونٹوں کا چارہ بن جاتا ہے۔نیز عیسر میں طویل کوہستانی سلسلے 'جبل السراۃ' پر کئی چراگاہیں موجود ہیں۔

معدنیات: قدیم اقوام میں عرب کی شہرت اس کی طلائی اور نقرئی معدنیات اور خوشبودار اشیاء کی پیداوار کی وجہ سے تھی۔یونانی مورخ ہیروڈوٹس نے اپنی تاریخ میں عرب کی اس خصوصیت کا ذکر کیا ہے۔توارت تو ملکِ عرب کے سونے، چاندی اور بخورات کے ذکر سے بھری پڑی ہے۔مثلاً ''جدعون نے ان سے کہا کہ نہ میں تم پر حکومت کروں اور نہ میرا بیٹا بلکہ خداوند ہی تم پر حکومت کرے گا اور جدعون نے ان سے کہا کہ میں تم سے یہ عرض کرتا ہوں کہ تم میں سے ہر شخص اپنی لوٹ کی بالیاں مجھے دے دے (یہ لوگ اسماعیلی تھے اس لئے ان کے پاس سونے کی بالیاں تھیں) انہوں نے جواب دیا کہ ہم ان کو بڑی خوشی سے دیں گے۔پس انہوں نے ایک چادر بچھائی اور ہر ایک نے اپنی لوٹ کی بالیاں اس پر ڈال دیں۔'' مسلمانوں میں ابن حائک ہمدانی (م ٣٣٠ھ) نے اپنے جغرافیے میں معاونِ عرب کا کھوج لگایا ہے۔علمائے یورپ میں برٹن (Burton) نے The Gold Mines of Midian میں مدین کے طلائی معاون کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔عمان اور بحرین کے ساحلی علاقوں میں موتی نکالے جاتے ہیں۔

صنعت وحرفت: شہری آبادی کی ضروریات کے پیشِ نظر صنعت وحرفت کا وجود ناگزیر تھا۔اور عرب کے ہر حصے میں اعلیٰ یا ادنیٰ صنعتی اشیاء تیار ہوتی تھیں۔تاریخِ عرب میں صنعتی اشیاء پر کوئی خاص روشنی نہیں ملتی، تاہم یمن کی پارچہ بافی اور جوتا سازی مشہور تھی۔چمڑا رنگنے کا فن (دباغت) عہدِ جاہلیت ہی سے تھا۔یمن کی رنگی ہوئی کھالیں اس قدر مشہور تھیں کہ فارسی شعراء کے کلام میں بھی اس کی تلمیحات ملتی ہیں۔کھالوں کے اعلیٰ ہونے کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ستارہ سہیل جو یمن کے مقابل طلوع ہوتا ہے اس کی روشنی میں کھال کی دباغت بہت عمدہ ہوتی ہے۔عربوں کا اہم پیشہ لوٹ مار تھا اور اس پیشے پر انہیں فخر تھا۔اس پیشے کی وساطت سے شمشیر سازی اور نیزہ سازی کی طرف توجہ دی گئی۔یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کی نگاہ میں وہ پیشہ عمدہ خیال کیا جاتا تھا جو انہیں جنگ وجدل میں معاون ثابت ہوتا تھا۔سبا کا پایہ تخت مآرب روئی اور کپڑے کے کاروبار کے لئے زمانۂ اسلام تک مشہور تھا۔چنانچہ آنحضرت ﷺ نے یہاں کے باشندوں پر نقد جزیہ عاید کرنے کے بجائے کپڑا ہی مقرر کیا تھا۔اسی طرح اہل نجران پر بھی حُلّوں کی صورت میں جزیہ عائد کیا گیا۔

تجارت: جزیرۃ العرب کے آباد علاقے تمام تر ملک کے تین اطراف بحری سواحل پر واقع ہیں۔بحرین اور عمان

خلیج فارس پر، حضرموت اور یمن بحرِ عرب پر اور مشرق میں حجاز و مدین بحرِ احمر پر واقع ہیں۔ زراعت اور صنعت پسماندہ ہونے کی وجہ سے تجارت کے کاروبار کو فروغ حاصل ہوا۔عربوں کی تجارت پر تورات اور یونانی جغرافیہ دانوں کے بیانات سے کچھ روشنی پڑتی ہے۔ ان بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب تاجر دو ہزار برس قبل مسیح سے برابر یہ خدمات انجام دے رہے تھے۔عربوں کے تجارتی تعلقات ہندوستان، حبشہ، ایران، بابل، مصر اور یونان سے قائم تھے۔ یہ جملہ ممالک عرب کے اردگرد اس طرح واقع ہیں کہ عرب اس دائرہ کا مرکز ہے۔ اندرونِ جزیرہ نما بھی تجارت ہوتی تھی۔ شام، عراق اور سعودی عرب و یمن کے درمیان بھی تبادلۂ اشیاء ہوتا تھا۔عربوں کی تجارت کا سرمایہ عموماً تین چیزیں ہوتی تھیں۔(۱) کھانے کا مسالہ اور خوشبودار اشیاء۔(۲) سونا، جواہرات اور لوہا۔(۳) چمڑا، کھالیں، زین پوش اور بھیڑ بکریاں۔ دو ہزار سال قبل مسیح جو عرب تاجر بارہا مصر جاتے تھے۔ ان کا سامانِ تجارت: بلسان، صنوبر، لوبان اور دیگر خوشبودار چیزیں ہوتی تھیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام ایک ہزار سال قبل مسیح میں سبا کا سونا مانگتے ہیں۔ ۹۵۰ ق۔م میں حضرت سلیمانؑ کے دربار میں ملکۂ سبا جو تحفہ لائی وہ یہ تھا: ''خوشبودار چیزیں، بہت سا سونا، بیش قیمت جواہر'' حضرت سلیمانؑ کی کشتیاں یمن کی بندرگاہ ادفر سے سونا لاتی تھیں۔

دورِ جاہلیت میں قریش کی تجارت:

خاندانِ قریش کے جدِ امجد قصّی نے تجارت کو دور دراز تک پھیلایا۔ قیصر روم اور شاہ نجاشی سے قصی کے تجارتی روابط تھے۔ یمن اور بازنطینی سلطنت کے زیرِ اثر علاقوں میں بے روک ٹوک تجارت کی غرض سے ان بادشاہوں سے پروانے حاصل کئے۔ ابنِ حبیب کی روایت کے مطابق قصی کے چار بیٹے تھے اور ان میں سے تین تجارتی سفروں میں فوت ہوئے۔

قرآنِ کریم میں قریش کے تجارتی قافلوں اور سفروں کا ذِکر سورۂ قریش میں ''رحلة الشتاء و الصیف'' کے الفاظ میں کیا گیا ہے۔ قریش کی معاشی زندگی کا انحصار تین چیزوں پر تھا: (۱) رحلة الشتاء و الصیف: قریش جاڑوں میں جنوب یعنی یمن کی طرف کاروانِ تجارت لے کر جاتے تھے اور گرمیوں میں شام اور ایشیائے کوچک کا رخ کرتے تھے۔ ذی قعدہ کے مہینے میں قریش کے تجارتی قافلے واپس مکہ آجاتے تھے، کیونکہ اگلے ماہ ذی الحجہ میں ان کا مکے میں موجود ہونا ضروری ہوتا تھا۔(۲) عرب میں مختلف مقامات پر بازار لگتے تھے۔ تیرہ مقامات کے نام تاریخ میں موجود ہیں یعنی ''دومة الجندل، مشقر، صحار، دبا، شجرہ، عدن، صنعاء، حضرموت، عکاظ، ذوالمجاز، منیٰ، خیبر یمامہ'' مکہ کے قریب عکاظ کے موقتی بازار میں قریش اپنا مال فروخت کرتے تھے۔(۳) محصولِ بدرقہ: چونکہ جزیرۃ العرب میں لوٹ مار عام تھی اس لئے نجد و حجاز سے گزرنے والے تاجر اپنی حفاظت کے لئے قریش کو محصول ادا کر کے ان سے حفاظتی دستہ حاصل کرتے تھے، تاکہ قریش کے حلیف ان پر ڈاکہ نہ ڈالیں۔ کبھی دو چار قریشی نوجوان قافلے کے ساتھ ہو جاتے تھے اور کبھی قریشی نوجوان کے زیرِ سرکردگی غلاموں کو ساتھ بھیج دیا جاتا تھا۔

ولادتِ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: واقعۂ فیل کے ۹۳ یا ۹۴ دن بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قریش کے سردار عبدالمطّلب کے گھر پیدا ہوئے۔ آپ کی ولادت سے تین ماہ پہلے شام کے ایک سفر سے واپس آتے ہوئے مدینہ کے قریب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے والد کا انتقال ہو چکا تھا۔ چھ سال کی عمر تھی کہ والدہ وفات پا گئیں۔ نو سال کی عمر میں دادا عبد المطّلب نے بھی داغِ مفارقت دے یا۔ عبد المطّلب ایک خوش حال قریشی سردار تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو والد سے ورثے کے طور پر پانچ اونٹ، دو چار اونٹنیاں اور کچھ بکریاں ملی تھیں۔ ایک باندی اُم ایمن کا ذکر بھی آتا ہے جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دودھ بھی پلایا تھا مگر یہ وراثت اتنی کم تھی کہ نو سال کی کفالت کے لئے یہ مال کوئی حقیقت نہیں رکھتا تھا۔ عبد المطلب کی وفات کے بعد آپ کی نگرانی شفیق مگر مفلوک الحال چچا کے سپرد ہوئی۔ ابو طالب کثیر العیال تھے اور آمدنی کا کوئی معقول ذریعہ نہ تھا۔ گزر بسر کا ذریعہ محض تجارت تھی مگر تجارت کے لئے مال شرط ہے اور ابو طالب بہت غریب تھے۔ دوسروں کا مال عرب کے میلوں میں لے جاتے تھے اور مزدوری پاتے تھے۔ اس قلیل آمدنی میں بمشکل گزر بسر ہوتی تھی۔ نبی اکریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مفلوک الحال چچا کا ہاتھ بٹانے کی خاطر مزدوری پر اہل مکہ کی بکریاں چرانے کا کام کیا۔ ابو طالب کی دو چار بکریاں بھی ساتھ لے لیتے تھے۔

نوجوانی: نوجوانی میں مکہ کے تاجروں کے ہاں مزدوری اور کبھی کبھی نفع پر کام شروع کر دیا۔ مکہ میں رواج تھا کہ تاجر موسمِ حج میں مال خرید لیتے تھے اور کسی دیانتدار آدمی کے ہاتھ نجد، یمن اور شام کی منڈیوں میں بھیج دیا کرتے تھے۔ اکثر مال لے جانے والے کی مزدوری پہلے ہی طے کر دی جاتی تھی اور نفع میں اس کا ہرگز کوئی حصہ نہ ہوتا تھا اور کبھی اُجرت کے ساتھ نفع سے بھی کچھ حصہ دے دیا جاتا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سہیل کا مال دوسرے ملکوں میں لے جاتے تھے۔

۲۵ رسال کی عمر تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجرت پر کام کیا اور اپنی دیانت و امانت اور فرض شناسی کا ایسا نمونہ پیش کیا کہ ''صادق الامین'' لقب پایا۔ بہت سے لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا شریکِ تجارت بنانے کی خواہش کا اظہار کرنے لگے۔ آپ کا شعار تھا کہ جب اپنا اور دوسروں کا مال لے کر باہر جاتے تو واپسی پر سب سے پہلے شرکاء کو منافع کی ایک ایک کوڑی کا حساب دیتے۔ جن لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تجارت میں شراکت کی تھی۔ ان میں سے اکثر نے بعد میں اسلام قبول کر لیا۔ وہ ہمیشہ آپ کے حسنِ معاملت اور دیانتداری کی تعریف کرتے تھے۔ حضرت قیسؓ بن سائب مخزومی ان لوگوں میں سے ہیں جو عہد جاہلیت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شریکِ تجارت رہ چکے تھے۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت کہا کرتے تھے کہ ''میں نے عہدِ جاہلیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تجارتی ساجھا کیا تھا۔ دیانت داری اور راست بازی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بے مثال تھے اور حساب کے معاملے میں ان کا مجھ سے کبھی جھگڑا نہ ہوا۔''

تجارت سے جو کچھ حاصل ہوتا تھا اس سے بمشکل گزر بسر ہوتی تھی۔ ابو طالب نے خدیجۃ الکبریٰؓ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح کے موقع پر جو خطبہ پڑھا تھا۔ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاقِ کریمانہ اور شرافتِ نسبی کا صریحاً ذکر کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس مال وزر بالکل نہیں ہے۔ نیز ۲۵ ربرس کی عمر تک نا کتخدا رہنا بھی بے زری کی دلیل ہے جب کہ قریش کے سولہ سترہ برس کے نوجوانوں کی شادیاں ہو جاتی تھیں۔

تجارت کے سلسلے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعدّد سفر کیے۔ فلسطین، شام، یمن، بحرین، عمان اور غالباً حبشہ کا سفر بھی کیا

تھا اور ان مقامات کی خوب سیر کی تھی۔ مدتوں بعد بھی ان علاقوں کے اہم شہروں کے نام، محل وقوع اور دیگر اہم تاریخی اور جغرافیائی معلومات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذہن میں محفوظ تھیں۔ نجاشی کے نام وہ مکتوب دیکھتے ہوئے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جعفر طیارؓ کے تعارف کے لئے لکھا تھا یا نبوت کے پانچویں سال حبشہ کی جانب مہاجرین کو رخصت کرتے ہوئے جو الفاظ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ادا کیے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حبشہ اور دربارِ حبشہ سے خوف واقف تھے۔ عام الوفود میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس عرب کے اکثر مقامات کے وفود آئے تو ان میں عبدالقیس کا وفد بھی تھا جو بحرین سے آیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بحرین کے اہم مقامات کا نام لے لے کر ان کی حالت دریافت کی۔ اس پر ان لوگوں کو تعجب ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان مقامات سے کیسے واقف ہیں؟ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بتا کر ان کی حیرت دور کردی کہ میں نے یہ مقامات خوب دیکھے ہیں۔

مکّی زندگی: ۱۵ر سال قبل نبوی میں حضرت خدیجہؓ سے نکاح کی رسم ادا ہوئی، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے گھر آ گئے۔ نکاح کے بعد بھی تجارت کا شغل جاری رکھا، مگر نزولِ وحی سے تقریباً پانچ سال پہلے کاروبارِ دنیا سے طبیعت اچاٹ ہو گئی تھی اور تجارت کی طرف رغبت پہلے سے بہت کم ہوگئی تھی۔ صرف حج کے موقع پر معمولی لین دین کرتے تھے جس سے آذوقۂ حیات حاصل ہو جاتا تھا۔ باقی وقت یادِ الٰہی اور اصلاحِ معاشرہ میں گزرتے تھے۔ نزولِ وحی سے دو سال پہلے تو یہ حالت تھی کہ دو دو ہفتے کی غذا لے کر غارِ حرا میں جا بیٹھتے اور یادِ الٰہی میں مشغول و منہمک رہتے تھے۔

اعلانِ نبوت کے بعد تیرہ سال مکہ میں بسر کیے۔ مکی زندگی اگرچہ فقر و فاقہ کی زندگی نہ تھی لیکن خوشحالی کی بھی نہ تھی۔ مخالفین نے اسلام کی دعوت کو ابتداء میں نظر انداز کرنے کی کوشش کی کہ شاید یہ آواز خود بخود ہی دم توڑ دے گی، مگر جب ان کا یہ خیال خام نکلا تو ترغیب و تحریص سے کام نکالنے کی کوشش کی گئی۔ مگر اصولوں پر سمجھوتہ ناممکن تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہہ دیا کہ اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر چاند اور بائیں ہاتھ پر سورج بھی لا کر رکھ دیں تو میں اپنے مقصدِ حیات سے دست بردار ہونے کو تیار نہیں۔ ترغیب و تحریص کی پیشکشیں ناکام ہوگئیں تو ظلم و تشدّد کی چکی پوری قوت سے چل پڑی۔ صحابہ کرام پر لرزہ خیز مظالم کئے گئے۔ اس دور میں مسلمانوں کے لئے بازار میں کاروبار کرنا تقریباً ناممکن ہوگیا۔ آخر کفار نے سوشل بائیکاٹ کر دیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ آپ کے چچا ابو طالب کو بھی محصور ہونا پڑا۔ تین سال تک یہ سوشل بائیکاٹ جاری رہا اور جب ختم ہوا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس نہ سرمایہ تھا اور نہ پہلے سے تعلقات۔ کاروبار کی کوئی صورت نہ تھی۔ البتہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانثار غلام زید موسمِ حج میں کچھ کام کر لیتے تھے۔

جب مشرکینِ مکہ کے مظالم حد سے بڑھ گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منوّرہ کو ہجرت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رفیقِ طریق حضرت ابو بکر صدیقؓ کے پاس بہت سے دینار تھے۔ انہوں نے وہ اپنے ساتھ لئے مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ساتھ لے جانے کے لئے کوئی سرمایہ نہ تھا۔ حضرت ابو بکرؓ کی یہ رقم مسجدِ نبوی کی زمین خریدنے اور مہاجرین کی آبادکاری کے کام آئی۔ مکہ معظّمہ میں آپ کی کوئی غیر منقولہ جائیداد بھی نہ تھی۔ البتہ حضرت خدیجہؓ الکبریٰ کا ایک چھوٹا سا مکان تھا جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاندان سکونت پذیر تھا اور ہجرت کے بعد بی بی زینبؓ رہائش پذیر تھیں۔

مدنی زندگی: ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں نبی اکرم ﷺ ایک سربراہِ ریاست کی حیثیت سے تھے۔ مدینہ جاتے ہی یہود کے ساتھ معاہدہ ہوا اور انہوں نے اختلافی معاملات میں آپ ﷺ کو حکم تسلیم کر لیا۔ مکہ میں نبی اکرم ﷺ کی مصروفیات کم تھیں مگر مدینہ میں آپ ﷺ حاکم تھے، سپہ سالار تھے اور عادل بھی۔ ان گوناگوں مصروفیات میں کاروبار عملاً ناممکن تھا۔ آغاز میں بیت المال کی آمدنی ضروریات کے مقابلے میں اس درجہ کم تر تھی کہ صحابہؓ کرام تنگ دستی سے گزر بسر کرتے تھے۔ نبی اکرم ﷺ اور ان کے اہل وعیال عسرت کی زندگی گزار رہے تھے اور بعض اوقات کئی کئی دن چولہے میں آگ تک نہ جلتی تھی اور ایسی ہی زندگی کئی دوسرے صحابہؓ کی تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مدینہ منورہ میں قیامِ سلطنت پر مہاجرین کو بے شمار مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، مگر انصار کی جانثاری اور اولوالعزمی نے جملہ مشکلات پر قابو پا لیا۔ مہاجرین کی سرگرمیاں دوبارہ عود کر آئیں۔ حضرت ابوبکرؓ کپڑے کی تجارت کرنے لگے۔ ''سلخ'' کے مقام پر ان کا کپڑے کا کارخانہ تھا۔ حضرت عمرؓ بھی تاجر تھے اور ان کی تجارت کا سلسلہ ایران تک پھیلا ہوا تھا۔ حضرت عثمانؓ بنو قینقاع کے بازار میں کھجوروں کی خرید وفروخت کرتے تھے۔ عبدالرحمانؓ بن عوف پنیر بیچتے تھے۔ حضرت زبیرؓ بھی کپڑے کے تاجر تھے اور شام سے ان کا بیوپار تھا۔ اسی طرح دیگر عام مہاجرین ''**وابتغوا من فضل اللہ**'' (**الجمعہ**) کے حکمِ قرآنی کے پیشِ نظر تجارت یا زراعت کو اپنائے ہوئے تھے۔

۶ھ میں خیبر اور فدک کی زرخیز اراضی مسلمانوں کے قبضے میں آ گئی۔ بنی قریظہ اور بنی نضیر کے یہودی قبائل زرخیز اور سرسبز زمینیں چھوڑ کر گئے تھے اور ان کا ۱/۵ حصہ بیت المال میں آ چکا تھا، لیکن خراج اتنا کم تھا کہ ضروریاتِ صحابہؓ کے لئے ناکافی محض تھا۔ نبی اکرم ﷺ کے پاس مہمان بکثرت آنے لگے تھے۔ عرب قبائل کے وفود کی تعداد میں اضافہ ہو گیا۔ اصحابِ صُفّہ کا خرچ جدا تھا اس لئے قدرے خوشحالی کے باوجود نبی اکرم ﷺ کی زندگی میں عسرت برقرار رہی۔ نبی اکرم ﷺ کی جو معمولی آمدنی تھی اس میں سے بھی غریبوں اور مسکینوں کی امداد فرمایا کرتے تھے۔ اس لئے صحابہ کرامؓ کو فقر و فاقہ کی زندگی بار نہ تھی۔ وہ سب نبی اکرم ﷺ کو نمونہ بنائے ہوئے تھے۔ یہی وہ تربیت تھی جس کی وجہ سے وہ کبھی بھی بادشاہوں کی پر تکلف اور انواع واقسام کے کھانوں سے مملو دعوتوں، بیش قیمت لباسوں اور شاندار مکانوں سے مرعوب نہ ہوئے۔ صحابہ کرامؓ روم وایران کے درباروں میں فاتحانہ داخل ہوئے مگر درباروں کے ریشمی پردے، منقش قالین اور زر و جواہر سے لدے ہوئے تاج ان کی نگاہیں خیرہ نہ کر سے۔

ترکہ: عمرو بن الحارث جو امّ المومنین حضرت جویریہؓ کے بھائی ہیں۔ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے اپنے ترکہ میں صرف ہتھیار، اپنی سواری کا خچر اور کچھ زمین کا ٹکڑا چھوڑا تھا اور وہ بھی صدقہ فرما گئے۔ ********

ماٰخذ: ارض القرآن ج۱۔۲ (سید سلیمان ندویؒ) (تفسیر سورۃ ایلاف مطبوعہ 'البلاغ' کراچی (جون ۶۸) عہدِ نبوی کا نظام حکمرانی، سیاسی وثیقہ جات۔ ڈاکٹر حمید اللہ) تمدّنِ عرب (گستاوَلی بان، مترجم سید علی بلگرامی) رحمۃ للعالمین (قاضی سلیمان منصور پوریؒ) سیرت النبی اول و دوم شبلی نعمانیؒ) کتاب مقدس، فاران (سیرت نمبر)

خوارق و معجزات اور سائنس

مولانا بدیع الزمانؒ

اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جو انسانی زندگی کے ہر گوشہ اور ہر موڑ پر انسان کی رہنمائی کرتا ہے۔ دنیا کے معاملات ہوں یا آخرت کے احوال، اسلام نے سب کی تفصیلات اور زندگی کی ہر مشکل کا قابلِ عمل حل پیش کیا ہے۔ اسلام دینِ فطرت ہے، اس لیے اس کا ہر حکم عقلِ سلیم اور فطرتِ صحیحہ کے موافق ہے۔ اگر کسی شخص کو اسلامی عقائد و اعمال میں سے کوئی چیز خلافِ عقل نظر آتی ہے تو یہ دراصل اس کی عقل کا قصور ہے۔ عقل بھی تو ایک قوتِ شاعرہ ہی ہے۔ ہر حس و شعور کا دائرۂ عمل محدود ہوتا ہے۔ قوتِ باصرہ (آنکھ) ایک خاص حد تک کام کرتی ہے، اس سے آگے عاجز ہے۔ قوتِ سامعہ (کان) سے بھی ایک مخصوص حد تک استفادہ کیا جاتا ہے، لیکن اگر متکلم مخاطب سے بعید اور اس کی نگاہ سے اوجھل ہو تو نہ اس کی آواز سنی جاسکتی ہے اور نہ اس کی شکل وصورت دکھائی دیتی ہے۔

اسی بنا پر کوئی شخص اس کا دعویٰ نہیں کرتا کہ جو چیز میری نگاہ کے احاطہ میں نہیں ہے، وہ دراصل موجود نہیں ہے۔ اسی طرح عقل کا دائرۂ ادراک و شعور بھی محدود ہے، ہر چیز کو میزانِ عقل پر وزن نہیں کیا جاسکتا، عقل کی ترازو میں امورِ آخرت، حقیقت و آثارِ نبوت، ذات و صفاتِ الٰہی کی تفصیلات کو نہیں تولا جاسکتا۔ اس کی مثال ایسی ہوگی کہ کوئی شخص سونا تولنے کی ترازو (کانٹے) میں پہاڑوں کو تولنے لگے، تولنے والے کی حماقت ہے۔ علاوہ ازیں جس طرح آنکھ میں بصارت کا مادہ اور بینائی کی قوت موجود تو ہے، لیکن وہ تاریکی میں قوتِ باصرہ سے کام لینے کے لیے خارجی روشنی کی محتاج ہے، اسی طرح عقلِ انسانی بھی ماوراء العقل اُمور کے ادراک میں وحیِ الٰہی کی محتاج ہے۔ لہٰذا اگر عقل کے ساتھ وحیِ الٰہی کا لطیف و نور آفریں تعلق باقی رہے تو اسلام کا کوئی حکم خلافِ فطرت اور خلافِ حقیقت نظر نہیں آسکتا، لیکن اگر وحیِ سماوی اور تعلق مع اللہ کا کنکشن منقطع ہوجائے تو قدم قدم پر انسانی عقل اسی طرح ٹھوکریں کھاتی ہے، جیسے اندھیرے میں بینائی کی قوت، حتیٰ کہ پیشِ پا اُفتادہ حقائق اور بدیہیات بھی اس کے لیے نظریات بن جاتے ہیں، اسی لیے شریعتِ اسلامیہ نے عقل کو علم و معرفت کے باب میں مختار کل نہیں بنایا، بلکہ وحیِ ربانی کے تابع رکھ کر اس سے استفادہ کرنے کا حکم دیا ہے۔

موجودہ دور میں ملحدینِ یورپ کی کورانہ تقلید یا جدید تعلیم و تہذیب کے مسموم اثرات کی وجہ سے مسلمانوں میں ایک ایسا طبقہ پیدا ہوگیا جو اسلام کے معتقدات اور مسلمہ حقائق کو خلافِ فطرت کہہ کر ان کا مذاق اُڑاتا ہے، بلکہ سنجیدگی کے ساتھ ان پر غور کرنے اور سمجھنے کی کوشش کرنے کے بجائے اس تمسخر واستہزاء کو اپنے لیے سامانِ تفریح اور اپنی مجالس کو اس سے پُر رونق بناتا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ یہ لوگ انتہائی وقاحت اور بے شرمی کے ساتھ اعلان کرتے ہیں کہ چونکہ یہ مسائل ہماری روشن

عقل کے خلاف ہیں، اس لیے ہم ان کو تسلیم نہیں کر سکتے، ستم ظریفی ملاحظہ ہو: جنوں کا نام خرد رکھ لیا خرد کا جنوں

کاش! ان دشمنانِ عقل و دین سے کوئی دریافت کرے کہ تمہیں پتہ ہے کہ عقل کی حقیقت کیا ہے؟ اہلِ عقل کہلانے کے مستحق کون لوگ ہیں؟ اور کس نے تمہیں عقلاء کی فہرست میں شامل کیا ہے؟ ''برعکس نام زنگی نہند کافور'' اسلام کا مذاق اُڑانے والے خداوندانِ مغرب کے نزدیک بے شک اہلِ عقل ہو سکتے ہیں، لیکن قرآن وسنت کی اصطلاح میں ان کا شمار مجانین وسفہاء بلکہ ''أُولٰئِکَ کَالْأَنْعَامِ'' کے زمرہ میں ہوتا ہے، لیکن انہی مدعیانِ عقل ودانش کے سامنے اگر کوئی تاریخی واقعہ پیش کیا جائے تو اس کو تسلیم کرنے میں ان کو کوئی تامل نہیں ہوتا، چاہے وہ کتنا ہی بعید از عقل کیوں نہ ہو، خصوصاً اگر کسی انگریز مؤرخ یا مستشرق نے اس کو قلمبند کیا ہو تو اس کا درجہ تو اُن کے نزدیک ایمان ویقین کے لحاظ سے وحیِ ربانی سے بھی زائد ہوگا۔ ذیل میں دو تاریخی واقعات درج کیے جاتے ہیں، جن سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان مدعیانِ عقل وخرد کو اُن کے تسلیم کرنے میں تو کوئی کلام نہیں، لیکن اگر اس قسم کا واقعہ شریعت نے بیان کیا ہوتا تو اس میں ان دشمنانِ عقل ودین کو صدہا کیڑے نظر آتے اور صاف کہہ دیتے کہ خلافِ عقل ہے، ہم نہیں مانتے:

۱:- ''ہنگری میں دو لڑکیاں پیدا ہوئیں، دونوں کے تمام اعضاء مستقل اور الگ الگ تھے، لیکن دونوں کے سرین (پچھلا حصہ) اس طرح ایک کا دوسرے سے جڑا ہوا تھا کہ دونوں کا مخرجِ براز (فضلہ نکلنے کی جگہ) ایک ہی تھی، اسی ایک راستہ سے دونوں قضاء حاجت کرتی تھیں، پیشاب گاہ الگ الگ تھی، جب ایک کو پیشاب کی حاجت ہوتی تو دوسری منقبض ہو جاتی۔ عمر کے چھٹے سال میں ایک کے اعضاء کسی مرض سے شل ہو گئے، اسی حالت میں وہ عمر بھر پھرتی رہی، لیکن دوسری کے اعضاء صحیح سالم تھے۔ بلوغ کی علامات بیک وقت دونوں میں ظاہر ہوئیں۔ جب بائیس سال کی عمر ہوئی تو ایک کو شدید بخار ہوا اور اسی مرض میں اس کا انتقال ہو گیا، تین گھنٹہ کے بعد دوسری بھی مر گئی اور ساتھ ہی دونوں کو دفن کیا گیا۔''

۲:- ایک چینی لڑکا جس کی عمر بارہ برس کی تھی اپنے سینہ پر دوسرا بچہ اُٹھائے ہوئے تھا، اس دوسرے بچے کا سر اُس کے سینہ کے اندر چھپا ہوا تھا، باقی دھڑ اس کے سینہ سے گھٹنوں تک لٹکا رہتا تھا، اس بچہ میں کافی شعور تھا، ذرا سے چھونے سے وہ متاثر ہوتا اور اس سے وہ اُٹھانے والا بھی متاثر ہوتا۔''

اس قسم کے متعدد واقعات انسائیکلوپیڈیا میں موجود ہیں، یہ مدعیانِ عقل وخرد ان کو تو بلا کسی تردد کے تسلیم کر لیتے ہیں، لیکن اگر خرقِ عادت کے طور پر انبیاءؑ واولیاءؒ سے کوئی اسی قسم کی خلافِ عادت چیز ظہور میں آئے تو اس میں شکوک وشبہات پیدا ہو جاتے ہیں اور نہیں مانتے۔ یہ مرض دراصل وحیِ الٰہی کی عظمت کے شعور سے محروم ہونے اور ایمان کی کمزوری کا نتیجہ ہے۔ اگر خلاّقِ عالم کی قدرت پر یقین کامل ہو تو تمام ''خوارق'' (معجزات وکرامات) پر ایمان لانے میں کسی قسم کا کوئی مانع پیش نہیں آ سکتا۔ یہی وجہ تھی کہ جب معراج کا ایمان افروز واقعہ کفار نے صدیقِ اکبرؓ کے سامنے پیش کیا، تاکہ ان سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب کرائیں تو صدیقِ اکبرؓ نے فرمایا: اس میں کونسی تعجب کی چیز ہے؟! ''ملأِ اعلیٰ'' سے ''وحی'' آنے پر

جب میں ایمان لاچکا ہوں تو اس واقعۂ صادقہ کے تسلیم کرنے میں مجھے کیا تامل ہوسکتا ہے؟!

موجودہ پُرفتن دور میں مادہ پرستی اور خدا ورسول کی تعلیمات سے بے گانگی حد سے زیادہ بڑھ جانے کی وجہ سے معجزات وکرامات کو یہ کہہ کر رد کردیا جاتا ہے کہ ''یہ چیزیں قانونِ قدرت کے خلاف ہیں اور انسانی عقل کی رسائی سے باہر ہیں، اس لیے ہم نہیں مانتے۔'' معجزہ کو خلافِ قانونِ قدرت کہنا درحقیقت جہل کی دلیل ہے، ہاں! اس کی صحیح تعبیر یہ ہے کہ معجزہ یا کرامت عام قانونِ قدرت کے خلاف ہوتا ہے، اس لیے کہ اگر معجزہ عام انسانی دسترس سے باہر نہ ہو تو پھر وہ معجزہ ہی نہیں ہوسکتا۔ تاریخ کے اوراق میں بے شمار ایسے خوارق موجود ہیں جن کی صداقت پر کسی کو تردد نہیں ہوتا، اگر ایسے ہی خوارق کسی صاحبِ نبوت وولایت ہستی سے صادر ہوں تو اس میں کیا استحالہ ہے اور ان کے قبول کرنے میں کیوں تامل ہے؟!

فرانس کے مشہور فیلسوف کامل ''فلاریون'' نے اپنی کتاب ''**المجھول والمسائل الروحیة**'' میں لکھا ہے: (۱) ایک عورت کا پستان بائیں ران پر تھا، وہ اس سے بچہ کو دودھ پلاتی تھی۔ (۲) جاپان میں تباہ کن زلزلہ آیا تھا جس سے کئی بستیاں تہ وبالا ہوگئیں۔ (۳) ضلع ہردوئی میں ایک بگولا اُٹھا تھا جس سے ایک جھیل کا پانی خشک ہوگیا اور دوسری جگہ جھیل بن گئی۔''

اس قسم کے خوارق کو کوئی غلط نہیں کہتا، لیکن اگر یہ کہا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے موقع پر ایوانِ کسریٰ میں زلزلہ آیا، اس کے چودہ کنگرے گر گئے یا فارس کے آتش کدہ کی ہزار سالہ آگ بجھ گئی تو ان واقعات کے تسلیم کرنے میں پس وپیش ہونے لگتا ہے۔ سائنس کی محیر العقول ایجادات سے قبل تو معجزات وخوارق وغیرہ کو سمجھنے اور سمجھانے میں دقت پیش آسکتی تھی، لیکن اس سائنسی دور میں تو خوارق ومعجزات پر ایمان لانے میں کوئی اشکال پیدا ہی نہیں ہوسکتا۔ درحقیقت سائنس کے انکشافات نے تسلیمِ خوارق کے لیے راہ ہموار کردی۔ امام العصر حضرت مولانا سید انور شاہ قدس سرہٗ کا ارشاد ہے: ''اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو جو معجزات عطا فرمائے ہیں وہ دراصل اس بات کی طرف اشارہ ہیں کہ مستقبل میں (سلسلۂ نبوت ختم ہونے کے بعد) لوگ مادی وسائل واسباب کے ذریعہ ان جیسے خوارق تک رسائی حاصل کیا کریں گے جن کا ظہور انبیاء ورسل سے بغیر اسباب ووسائل کے ہوا تھا، تاکہ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ وقاہرہ کا ظہور ہوتا رہے۔''

حضرت سلیمان علیہ السلام کا تخت ہوا پر اُڑ کر صبح سے شام تک دو ماہ کی مسافت طے کرتا تھا، آج فضا میں ہزاروں میل فی گھنٹہ کی رفتار سے ہوائی جہاز پرواز کرتے ہیں، جو کام الیکٹرک سے ہوسکتا ہے کیا اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی تصدیق کے لیے وہی کام بغیر الیکٹرک کے ظاہر نہیں کرسکتے؟! حضرت سلیمان علیہ السلام پرندوں کی بولیاں بخوبی سمجھتے تھے، جبکہ عام انسان طیور کی چہچہاہٹ کو مہمل اور بے معنی چیز سمجھتے ہیں، اس معجزہ کی نظیر بھی سائنس نے پیش کردی۔ آپ کسی پوسٹ آفس میں چلے جائیں، وہاں تار کی کٹ کٹ گھنٹوں سنتے رہیں، آپ کے نزدیک اس کی حیثیت بے معنی حرکات واصوات (حرکتوں اور آوازوں) کی ہوگی، لیکن پوسٹ ماسٹر فوراً آپ کو بتادے گا کہ فلاں جگہ سے فلاں شخص یہ کہہ رہا ہے، علیٰ ہذا القیاس۔

پھر کیوں کر انکار کیا جاتا ہے اس سے کہ صانعِ حقیقی نے نغماتِ طیور کو بھی مختلف معانی ومطالب کے اظہار کے لیے وضع کیا

ہے اور اپنی قدرتِ کاملہ کے اظہار کے لیے بطور پیغمبرانہ اعجاز کے اپنے ایک اولوالعزم نبی کو اس کا علم عطا فرما دیا ہے۔ شبِ معراج میں حضور اکرم ﷺ کا آسمانوں کا سفر کرنا اور عجائباتِ قدرت کو دیکھ کر واپس آنا، اس سرعتِ رفتار کو جٹ ہوائی جہاز اور بجلی کی رفتار یا راکٹ کی سبک رفتاری سے بخوبی سمجھا اور باور کیا جا سکتا ہے۔ موجودہ دور کے حیرت انگیز آپریشنوں نے شقِ صدر کے معجزہ کو باور کرا دیا۔ معراج سے واپسی کے بعد مکہ معظّمہ میں حضور ﷺ کا بیت المقدس کو بلا حجاب دیکھ کر کفار کے سوالات کا جواب دینا اس کی نظیر بھی ہمارے سامنے موجود ہے۔ دوربین یا خوردبین کے ذریعہ ایک شخص جو چیزیں دیکھتا ہے، دوسرے کو وہ اشیاء نظر نہیں آتیں، لیکن اس نظر نہ آنے کی بنا پر کوئی شخص بھی ان کے وجود سے انکار نہیں کر سکتا، تو اگر پیغمبر اپنی خداداد دوربین نگاہ سے بیت المقدس کا نقشہ دیکھ کر جوابات دے رہے ہوں تو اس میں کیا تعجب ہے اور کیوں اس کا انکار کیا جاتا ہے؟!

حضرت عیسیٰ علیہ السلام مٹی سے پرندہ بنا کر ''نفخ'' کے ذریعہ (پھونک مار کر) اس کو ہوا میں اُڑا دیا کرتے تھے، اس معجزہ کو بھی سائنس کی ایجاد نے حل کر دیا۔ معدنیات کے چند مادے اور ٹکڑے ملا کر برقی طاقت کے ذریعہ ان کو راکٹ کی صورت میں بغیر پائلٹ کے ہوا میں اُڑا دینا اس معجزہ کو باور کراتا ہے۔ اگر برقی طاقت کے ذریعہ جہاز یا راکٹ کو فضا میں چلایا اور کنٹرول کیا جا سکتا ہے تو کیا اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ وقاہرہ سے بتوسطِ نفخِ عیسیٰ علیہ السلام مٹی کے پرندہ کو ہوا میں نہیں اُڑا سکتے؟!

نبی کریم ﷺ کا معجزہ آپ نے سنا ہوگا کہ آپ ﷺ پشت کے پیچھے کی چیزیں اسی طرح دیکھتے تھے جس طرح سامنے کی اشیاء کو ملاحظہ فرماتے تھے۔ اس معجزۂ حقہ کی حقیقت بھی اہلِ سائنس کی کاوشوں نے واضح کر دی۔ ایک انگریز ماہرِ ''علمِ بصارت'' لکھتا ہے کہ انسان کے بدن کی جلد کے نیچے چھوٹے خلیے پائے جاتے ہیں جو سارے جسم میں پھیلے ہوئے ہیں، یہ خلیے دراصل ننھی ننھی آنکھیں ہیں، ان میں اسی طرح سامنے کی چیزوں کا عکس پڑتا ہے اور تصویر اُتر آتی ہے جس طرح آنکھ کی پتلی میں۔ وہ کہتا ہے کہ انسان کی پیشانی کی جلد میں بھی قوتِ باصرہ موجود ہے، یہی قوت دماغ کو پیغام پہنچاتی ہے۔

حضور ﷺ کے سامنے درخت جھک جاتے اور آپ ﷺ کو سلام کرتے تھے۔ ملحدین نے اس معجزہ کا بھی مذاق اُڑایا، لیکن آج ماہرینِ علمِ نباتات نے درختوں اور پودوں کے متعلق جو حیرت انگیز انکشافات کیے ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ پودوں میں دیکھنے سننے کی بھی قدرت ہے، آپس میں بات چیت بھی کرتے ہیں، ان پر عشق و محبت اور رنج و غم کی کیفیات بھی وارد ہوتی ہیں، ان میں سے بعض میں ''ذکاوتِ حس'' کا مادہ بھی موجود ہے، بعض پودے محض چھوتے ہی سکڑ جاتے ہیں اور ادنیٰ اشارے سے بند ہو جاتے ہیں، اسی ذکاوتِ حس کی وجہ سے ایک پودے کو اردو میں ''چھوئی موئی'' کہتے ہیں۔ ہندوستان کے مشہور ماہر سائنس سر جگدیش چندر بوس نے طویل تجربہ و تحقیق کے بعد ایک کتاب ''پلانٹس آٹو گرافس اینڈ ویر ریویلیشن'' کے نام سے شائع کی ہے، جس میں اس نے پودوں کے متعلق نہایت حیرت انگیز معلومات جمع کی ہیں جن کو سننے یا پڑھنے کے بعد کوئی عقل و دانش کا مالک انسان مذکورہ معجزہ سے انکار نہیں کر سکتا۔

تاریخِ اسلام کا مشہور واقعہ ہے کہ فاروق اعظمؓ نے مدینہ میں مسجد نبوی کے منبر پر کھڑے ہو کر مجاہدین کے سپہ

سالار ساریہ کو پکار کر کہا: ”یاساریۃ الجبل!“ اسی وقت یہ آواز ساریہ کے کانوں تک پہنچ گئی، حالانکہ وہ مدینہ منورہ سے صدہا میل دور تھے۔ یہ آواز ان تک کس طرح پہنچی؟! اس کرامتِ حقہ کو وائرلیس کی ایجاد نے حل کر دیا، آج آپ وائرلیس، ٹیلیفون کے ذریعہ ایک ملک سے دوسرے ملک تک اپنی آواز پہنچا سکتے ہیں، اسی طرح فاروق اعظمؓ نے روحانی وائرلیس کے ذریعہ ساریہ تک اپنی آواز پہنچادی۔

عالمگیر جنگ کے زمانہ میں ایک لاسلکی پیغام میٹروگریڈ سے لندن چلا، راستہ میں بعض جرمن ماہرین اُسے جذب کرنے لگے، اوپر سے ایک فرانسیسی طیارہ نے ان پر بم پھینکا اور ان کی اس کوشش کو ناکام بنادیا۔ اس واقعہ سے وحیِ آسمانی کی شہاب کے ذریعہ حفاظت کا مسئلہ بھی بآسانی ذہن نشین ہوجاتا ہے کہ عرش سے جو لاسلکی پیغام ارضِ حجاز کو جارہا ہے، شیاطین اس کو درمیان سے اُچکنا چاہتے ہیں، اوپر سے شہابِ ثاقب کا بم ان کا کام تمام کردیتا ہے۔ قرآنِ مجید میں ارشادِ ربانی ہے کہ: ”شیطان اور اس کا لشکر تم کو دیکھتا ہے، لیکن تم ان کو نہیں دیکھتے۔“ آج ٹیلی ویژن سے اس مسئلہ کو بھی بآسانی سمجھا جاسکتا ہے۔ ٹیلی ویژن پر تقریر کرنے والے کو وہ سب لوگ دیکھتے ہیں جو اس کے سامنے ہیں، لیکن وہ ان میں سے کسی ایک کو بھی نہیں دیکھ سکتا، اس کی تقریر اور اس کی نقل وحرکت کو دوسرے دیکھتے ہیں، وہ خود اس سے عاجز ہے کہ اپنے دیکھنے والوں کو دیکھ سکے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ”مستقبل بعید“ اور ”مابعد الموت“ کے احوال تفصیل سے بیان فرمائے اور قبر اور اس کے بعد جہنم کے مہیب عذاب اور خوفناک کیفیات سے اُمت کو ڈرایا ہے، اس مسئلہ کو سمجھنے کے لیے ”راڈر“ سے مدد لی جاسکتی ہے، ”راڈر“ ایک آلہ ہے جس کی مدد سے جہازوں کا نظام چل رہا ہے۔ یہی آلہ آپ کو بتاتا ہے کہ آگے کونسی چیز آرہی ہے جس سے جہاز کو نقصان لاحق ہوسکتا ہے، تقریباً سو میل سے ہی یہ آلہ بتلا دیتا ہے کہ سامنے غلیظ بادل یا بلند پہاڑ آرہا ہے۔ اگر ایک بے جان آلہ مسافتِ بعیدہ کے حالات سے آپ کو مطلع کرسکتا ہے تو کیا پیغمبر کی بصیرتِ قلبی وفراستِ ایمانی مستقبل کے حالات کا ادراک نہیں کرسکتی؟!

بعض اولیاء اللہ کے متعلق مشہور ہے کہ ہوا میں اُڑنے لگے، اس پر زائغین کو ہنسی آتی تھی کہ انسان کس طرح ہوا میں اُڑسکتا ہے، لیکن تدریجی طور پر سائنس ان تمام ناقابلِ فہم مشکلات کا حل پیش کررہی ہے، چند ماہ قبل اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی تھی کہ ”امریکہ“ میں ایک انسان کو خلائی جہاز میں سوار کرکے دنیا کے سفر پر روانہ کیا گیا، مدار پر پہنچ کر وہ سوار جہاز سے باہر نکل آیا، کئی منٹ تک فضا میں پرواز کرتا رہا، بعد میں خود ہی جہاز کے اندر چلا گیا۔ اس خبر کا تو کسی نے انکار نہیں کیا، لیکن اگر ایسا واقعہ کسی خدارسیدہ بزرگ کا بیان کیا جائے، اس میں شکوک وشبہات پیدا ہوجاتے ہیں۔

الغرض سائنس کی ترقی اور محیر العقول سائنسی ایجادات کا بغور مطالعہ کرنے سے اسلام کے بہت سے پیچیدہ مسائل اقرب الی الفہم اور قابلِ قبول ہوجاتے ہیں، اب جبکہ ہر طرف سے ایمان کی متاعِ گراں مایہ کو لوٹنے کے لیے نئے سے نئے فتنے رونما ہورہے ہیں تو اللہ تعالیٰ بھی اسی سرکش انسان کے ہاتھوں نو بنو خارق العادۃ ایجادات ظاہر فرمارہے ہیں، تاکہ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ وقاہرہ کو تسلیم نہ کرنے والوں پر اتمامِ حجت ہوجائے اور یہ عذر باقی نہ رہے کہ: ”إِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غَافِلِيْنَ“ وباللہ التوفیق۔

کرپٹوکرنسی

کوئی چیز پہلے ناجائز بعد میں جائز کیوں؟

عمرانور بدخشانی

کرپٹوکرنسی کے عدم جواز کے فتویٰ پر سوشل میڈیا کے دانشوروں کی طرف سے یہ گھسا پٹا اعتراض بڑے زور و شور سے داغا جا رہا ہے کہ ''علماء پہلے ہر نئی ایجاد کو حرام کہتے ہیں اور بعد میں حلال کر دیتے ہیں''، یہ تنقید دراصل قانون کے بنیادی اصولوں اور زمینی حقائق سے مروجہ جہالت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

۱- دنیا کا کوئی بھی عاقل قانونی یا ریگولیٹری ادارہ کسی بھی نئی ایجاد یا دوا کو مارکیٹ میں آتے ہی آنکھیں بند کر کے لائسنس جاری نہیں کر دیتا، جب کوئی نئی دوا لیبارٹری سے نکلتی ہے، تو حکومتیں پہلے اس پر پابندی لگاتی ہیں تاکہ اس کے سائیڈ ایفیکٹس اور نقصانات کا جائزہ لیا جا سکے، جب تک اس کے سو فیصد محفوظ ہونے کا یقین نہ ہو جائے، وہ غیر قانونی ہی رہتی ہے، شریعت کا مزاج بھی یہی ہے کہ جب تک کسی نئی فنانشل اسکیم کے اندر غرر (دھوکہ) قمار (جوا) اور معاشی تباہی کے جراثیم واضح نہ ہوں احتیاطاً اسے روکا جاتا ہے تاکہ زندگی بھر کی کمائی لٹنے سے بچائی جا سکے۔

سوشل میڈیا پر بیٹھ کر شریعت کو کوسنے والے شاید یہ نہیں جانتے کہ دنیا کی جن بڑی بڑی ٹیک کمپنیوں یعنی گوگل اور ایپل کی وہ دن رات پوجا کرتے ہیں، وہ بھی اپنا کوئی نیا سافٹ ویئر پہلے ہی دن مارکیٹ میں نہیں پھینک دیتیں، وہ اسے پہلے ایک محدود دائرے میں ''بیٹا ورژن'' کے نام پر ٹیسٹ کرتی ہیں اور عام صارفین کو اس کے استعمال سے روکتی ہیں، کیونکہ اس میں بگز Bugs اور سیکیورٹی کے بڑے خطرات ہوتے ہیں، شریعت کا کسی چیز کو ابتداءً ناجائز کہنا دراصل اسی بگ والے پروجیکٹ کو روکنا ہے، جب تک کسی نظام کے معاشی اور سماجی بگز دور نہیں ہو جاتے، قانون شریعت عوام کو اس کے فنانشل نقصان سے بچانے کے لیے ایک مضبوط فائروال لگا دیتا ہے، اب فائروال پر غصہ نکالنا کہاں کی عقل مندی ہے؟

دنیا بھر کے اسٹاک مارکیٹ ریگولیٹرز کا یہ متفقہ قانون ہے کہ جب کسی کمپنی کے شیئرز کی قیمتیں بغیر کسی معقول وجہ کے قیاس آرائی یعنی اسپیکولیشن کی وجہ سے پاگلوں کی طرح اوپر نیچے ہونے لگیں تو وہ فوری طور پر اس شیئر کی ٹریڈنگ معطل کر دیتے ہیں، چاہے وہ کمپنی کتنی ہی قانونی کیوں نہ ہو، کرپٹو مارکیٹ کا تو پورا وجود ہی اسی پاگل پن پر قائم ہے، جہاں کسی کا ایک ٹویٹ اربوں ڈالر ڈبو دیتا ہے، جب دنیا کا مادی قانون عارضی خطرے پر پابندی لگانے کو عین دانش مندی کہتا ہے، تو شریعت اتنے بڑے مستقل خطرے پر پابندی لگائے تو لبرل مفکرین کی مروڑ کیوں اٹھنے لگتی ہے؟

۲- معترضین یہ تاثر دیتے ہیں جیسے مفتی صبح اٹھ کر اپنی مرضی سے فیصلہ بدل دیتے ہیں، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ

فیصلہ نہیں بدلتا بلکہ حقیقتِ حال بدل جاتی ہے، جب دنیا میں پہلی بار کاغذی نوٹ متعارف کروائے گئے، تو اس وقت کے ماہرین اور قانون دانوں نے اس کی شدید مخالفت کی تھی، وجہ بالکل واضح تھی کہ اس وقت کاغذی نوٹ کے پیچھے کوئی مضبوط قانونی نظام یا بین الاقوامی ضمانت موجود نہیں تھی، وہ محض کاغذ کا ایک بے وقعت ٹکڑا تھا، اگر کوئی بینک یا کمپنی بھاگ جاتی تو عوام برباد ہو جاتے، لیکن جب دنیا بھر کی حکومتوں نے اسے قانونی حیثیت دی، اس کے ضوابط طے کیے اور اس کے پیچھے ریاست کی ضمانت کھڑی کی، تو اب وہ محض کاغذ کا ٹکڑا نہیں رہا بلکہ مال اور ثمن بن گیا، چنانچہ علماء نے بھی اسے جائز قرار دیا۔

کرپٹو کے معاملے میں بھی بالکل یہی صورتحال ہے، آج کرپٹو میں بظاہر کوئی مادی حقیقت ہے، نہ ہی اسے دنیا کی حکومتوں کی قانونی پشت پناہی حاصل ہے، جس کی وجہ سے یہ محض ایک قیاس آرائی اور جوئے کا اڈا بن چکا ہے، کل کو اگر یہ خامیاں دور ہو جائیں، حکومتیں اسے باقاعدہ کرنسی تسلیم کرلیں اور اس کا یہ پاگلوں والا اتار چڑھاؤ کنٹرول ہو جائے، تو اس وقت کا جواز، آج کے عدمِ جواز کو غلط ثابت نہیں کرے گا، بعد میں اس کا جائز ہونا مفتیوں کا تضاد نہیں بلکہ کرپٹو کے اپنے اندر آنے والی تبدیلی ہوگی۔

بعض لوگ یہاں یہ مضحکہ خیز اعتراض بھی جڑ دیتے ہیں کہ بینک اکاؤنٹس اور اے ٹی ایم کارڈز میں بھی تو پیسہ ڈیجیٹل ہندسوں کی شکل میں ہی ہوتا ہے، پھر کرپٹو پر یہ سارا غصہ کیوں؟ یہ اعتراض ڈیجیٹل شکل اور ڈیجیٹل حقیقت کا فرق نہ سمجھنے کی نااہلی ہے، بینک اکاؤنٹ کے ہندسے دراصل اس حقیقی ملکی کرنسی کی نمائندگی کرتے ہیں جو بینک کے پاس محفوظ ہوتی ہے اور جس کے پیچھے ریاست کی ضمانت ہوتی ہے، آپ جب چاہیں اے ٹی ایم میں کارڈ ڈال کر انہیں نقد نوٹوں کی شکل میں باہر نکال سکتے ہیں، اس کے برعکس، کرپٹو کے ہندسوں کے پیچھے نہ تو کوئی مادی رقم ہوتی ہے اور نہ ہی کسی حکومت کی ضمانت، وہ محض چند کمپیوٹر کوڈز ہوتے ہیں جن کی قیمت صرف اس وقت تک ہے جب تک کوئی دوسرا خریدار اس سے بڑا جوا کھیلنے پر تیار ہو۔

۳- لوگ مفتیوں کے فتووں پر تو کیڑے نکالتے ہیں، لیکن یہ بھول جاتے ہیں کہ خود دنیا کے بڑے بڑے سینٹرل بینک، نوبل انعام یافتہ ماہرین معاشیات اور ترقی یافتہ حکومتیں خود کرپٹو کو لے کر شدید تذبذب کا شکار ہیں، کئی ممالک نے اس پر پابندی لگائی، پھر ہٹائی، اور خطرات دیکھ کر پھر دوبارہ لگا دی، جب مادی دنیا کے یہ نام نہاد مایہ ناز ماہرین ایک ٹیکنالوجی کے معاشی خطرات کو سمجھنے سے قاصر ہیں، تو مفتیوں سے یہ امید رکھنا کہ وہ ابتدا ہی میں اسے "حلال" کی مہر لگا کر عوام کو ایک اندھی اور غیر محفوظ کھائی میں دھکیل دیں، سراسر نادانی اور بچپنا ہے۔

۴- قانون کا ایک مسلمہ اور اٹل قاعدہ ہے کہ حکم اپنی علت کے ساتھ وجود میں آتا اور ختم ہوتا ہے، آج اگر کسی چیز کو ناجائز کیا گیا ہے تو وہ اس کے نام کی وجہ سے نہیں، بلکہ اس کے اندر موجود خرابی جیسے قمار، غرر یا عوامی نقصان کی وجہ سے ہے، اگر وقت کے ساتھ وہ علت اور خرابی ختم ہو جائے تو حرمت کا حکم بھی خود بخود ختم ہو جاتا ہے، یہ کسی دار الافتاء یا مفتی کا موڈ بدلنا نہیں، بلکہ قانون کی اصل روح ہے۔ (بقیہ ص: ۳۲ پر)

خودکشی

اسباب، انجام اور اسلامی علاج

چاہت محمد قریشی قاسمی

انسان کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہی پیدا کیا ہے اور اسی نے انسان کو بے شمار ظاہری و باطنی نعمتوں سے نوازا ہے، ناک، کان، زبان، آنکھیں، بازو اور پاؤں، پھیپھڑے دل اور گردے وغیرہ اسی کی عطا ہیں، حتی کہ پورا جسم اسی نے بنایا ہے نیز جسم میں روح کو بھی اسی نے پھونکا ہے، تو رب کریم ہی وہ حقیقی مالک ہے جس کو انسانی جسم اور اس کی روح کا پورا اختیار ہے، اسی نے زندگی دی ہے اور وہی جب چاہے گا روح کو جسم سے جدا کردے گا۔ اور چونکہ جسم اور روح کا مالک حقیقی رب کائنات ہی ہے تو انسان کو نہ تو جسم میں تبدیلی کا کوئی اختیار ہے اور نہ ہی انسان کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے ہاتھوں کے ذریعہ جسم سے روح کو جدا کر کے خود کو ہلاک کردے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان کے لیے خودکشی کو حرام قرار دیا گیا ہے اور قرآن میں صاف بیان کردیا گیا ہے کہ:

”وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا“ (النساء:29)

”اپنی جانوں کو قتل نہ کرو، بے شک اللہ تم پر بڑا مہربان ہے“۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

”وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ“ (البقرۃ:195)

”اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو“۔

ان آیات سے واضح ہے کہ خودکشی کرنا اسلام میں ناجائز اور حرام ہے۔ خودکشی ایسا عمل ہے کہ جس کے بعد خودکشی کرنے والے انسان کو پچھتانے اور اس کو صحیح کرنے کا بھی موقع نہیں ملتا ہے، نیز وہ اپنے والدین، بھائیوں، بہنوں، رشتہ داروں اور تعلق داروں کو، ناختم ہونے والا غم دے جاتا ہے، ہر عزیز کو ناگہانی اور حرام موت سے بڑا صدمہ پہنچتا ہے، سبھی لوگ اس کو برا کہتے ہیں اور سب سے بڑھ کر ایسا شخص اپنے آخری وقت میں بھی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا بار اپنے سر ڈال کر رخصت ہو جاتا ہے۔ یعنی اکثر و بیشتر ایسے لوگوں کی زندگی تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی نافرمانی میں گذر ہی رہی ہوتی ہے، موت بھی اللہ تعالیٰ کی غیر پسندیدہ اختیار کر کے رب کریم کی ناراضگی کا مستحق بن جاتا ہے۔ شاعر کہتا ہے:

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

خودکشی کرنے والا دنیا کی پریشانیوں سے گھبرا کراور اللہ تعالیٰ کی جانب سے مایوس ہوکر خودکشی کرتا ہے لیکن شاید وہ بھول جاتا ہے کہ اس کی پریشانیاں اس موت سے ختم نہیں ہوتی ہیں بلکہ اس طرح کی موت سے اس کے لیے مزید پریشانیاں بڑھ جاتی ہیں۔اور یہ اختیاری موت اس کو سخت عذاب اور شدید وعید کا مستحق ٹھہرا دیتی ہے۔

نیز اسلامی تعلیمات کی روشنی میں یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ خودکشی جس طرح اور جس چیز سے بھی کی جائے گی مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ اس کو ہمیشہ کے لیے اسی موت کے اختیار کرنے پر بغیر کسی وقفہ کے تسلسل کے ساتھ مجبور کر دیں گے، لہٰذا خودکشی کرنے والا جہنم کی دہکتی آگ میں اسی چیز سے حسب سابق خودکشی کرے گا اور پھر اس کو زندہ کیا جائے گا، وہ پھر خودکشی کرے گا اور وہ پھر بھی زندہ کیا جائے گا اور اسی موت سے مارا جاتا رہے گا یہی سلسلہ بار بار دوہرایا جاتا رہے گا۔جیسا کہ حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

''جس نے پہاڑ سے اپنے آپ کو گرا کر خودکشی کر لی، وہ جہنم کی آگ میں ہوگا اور اس میں ہمیشہ پڑا رہے گا اور جس نے زہر پی کر خودکشی کر لی وہ زہر اس کے ساتھ میں ہوگا اور جہنم کی آگ میں وہ اسے اسی طرح ہمیشہ پیتا رہے گا اور جس نے لوہے کے کسی ہتھیار سے خودکشی کر لی، تو اس کا ہتھیار اس کے ساتھ میں ہوگا اور جہنم کی آگ میں ہمیشہ کے لیے وہ اسے اپنے پیٹ میں مارتا رہے گا''۔(صحیح البخاری:5778)

خودکشی کرنے والے شخص کے محبوب اور پسندیدہ اعمال بھی اس کی خودکشی کی وجہ سے اس کے کام نہیں آسکیں گے حتی کہ وہ شخص اپنی خودکشی کی وجہ سے جہنم میں داخل کر دیا جائے گا جیسا کہ حضرت سہل بن سعد ساعدیؓ روایت کرتے ہیں کہ:

''جنگِ خیبر میں ایک شخص نہایت بہادری سے لڑ رہا تھا۔ وہ مشرکین پر مسلسل حملے کر رہا تھا۔صحابۂ کرامؓ نے عرض کیا: آج اس شخص سے بڑھ کر کسی نے جہاد نہیں کیا۔لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''أَمَا إِنَّهُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ'' (لیکن وہ جہنم والوں میں سے ہے)۔صحابہؓ حیران رہ گئے۔ بعد میں وہ شخص شدید زخمی ہوا، زخموں کی تکلیف برداشت نہ کر سکا، اس نے اپنی تلوار زمین پر گاڑی اور اس پر جھک کر خودکشی کر لی۔ جب یہ خبر رسول اللہ ﷺ کو پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا: بعض اوقات کوئی شخص لوگوں کی نظر میں جنتیوں والے اعمال کرتا ہے، حالانکہ وہ جہنم والوں میں سے ہوتا ہے۔(صحیح البخاری)

اسی طرح ایک حدیث میں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خودکشی کرنے والے پر جنت کے حرام ہونے کا تذکرہ فرمایا ہے۔حضرت جندب بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''پہلی امتوں میں ایک شخص زخمی ہوگیا۔ وہ زخم کی تکلیف برداشت نہ کر سکا، اس نے چھری سے اپنی کلائی کاٹ لی۔خون مسلسل بہتا رہا یہاں تک کہ وہ مرگیا۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''میرے بندے نے اپنی جان لینے میں مجھ سے جلدی کی، اس لیے میں نے اس پر جنت حرام کر دی''۔(صحیح البخاری 3463)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجے گیے تھے اور آپ کا کرم ہر خاص و عام کے لیے تھا، لیکن اس کے

باوجود آپ ﷺ کے پاس ایک ایسے شخص کا جنازہ لایا گیا جس نے تیر کی دھار سے خودکشی کر لی تھی، تو آپ ﷺ نے اس کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھائی۔(صحیح مسلم 978)

آپ ﷺ کا نماز جنازہ پڑھانے سے انکار کر دینا یہ اشارہ ہے اس بات کی جانب کہ اللہ عزوجل اور رسول اللہ ﷺ اس شخص سے ناراض ہوتے ہیں جس نے اپنے ہاتھوں اپنی جان لی ہو اور اسی لیے ایک بڑے عالم دین اور محدث کبیر حضرت امام احمدؒ کا خیال ہے کہ خودکشی کرنے والے شخص پر عام لوگ تو نمازِ جنازہ پڑھیں گے؛ لیکن امام المسلمین نماز جنازہ نہیں پڑھے گا۔(سنن ترمذی، حدیث نمبر: 1048 کے ذیل میں)

نیز یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ جس شخص کی نماز جنازہ نبی کریم ﷺ نے پڑھانے سے منع فرما دیا ہو تو پھر کل قیامت کے دن ایسے شخص کے لیے بارگاہ رب ذوالجلال میں شفیع اعظم ﷺ کی جانب سے سفارش سے محروم رہ جانے کا بھی اندیشہ ہے، جب کہ قیامت کے دن نبی کریم ﷺ کی سفارش کی امید ہی بخشش اور نجات کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ خودکشی تو دور کی بات ہے؟ اسلام تو کسی شخص کو مصائب، تنگیوں اور پریشانیوں سے گھبرا کر موت کی تمنا کرنے کی بھی اجازت نہیں دیتا، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں تم میں سے کوئی مصیبت کی وجہ سے موت کی تمنا نہ کرے، اور اگر نا گزیر ہو تو یہ دعا کرے:

"اللَّهُمَّ أَحْيِنِي مَا كَانَتِ الْحَيَاةُ خَيْرًا لِي، وَتَوَفَّنِي إِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِي" اے اللہ! جب تک زندگی میرے لیے بہتر ہو مجھے زندہ رکھ، اور جب وفات میرے لیے بہتر ہو تو مجھے وفات دے۔(صحیح البخاری: 5671)

انسانی زندگی کی قدر اللہ تعالیٰ کی نظر میں اور شریعت اسلامیہ کی روشنی میں بہت زیادہ ہے، اس لیے کسی انسان کو اس کی طاقت سے زیادہ کا مکلف نہیں بنایا گیا ہے اور انسانی صحت کا خاص خیال بھی رکھا گیا ہے، جیسا کہ اس کی متعدد عملی مثالیں احادیثِ نبویہ اور فقہی احکام میں ملتی ہیں کہ اگر پانی کے استعمال سے کسی انسان کے ہلاک ہو جانے یا کسی مریض کی بیماری کے بڑھ جانے کا خدشہ ہو تو اس کو چاہیے کہ غسل اور وضو کی بجائے تیمم کر کے کام چلائے۔

اسی طرح مسجد میں جا کر نماز پڑھنے اور کھڑے ہو کر نماز ادا کرنے کے مسائل بھی بدل جاتے ہیں، نیز اسی طرح شریعت نے انسان کو سخت سردی میں موزے اور بیماری میں زخم اور پٹی یا پلاستر پر مسح کرنے کی رخصت بھی مرحمت فرمائی ہے، نیز یہ بھی واضح رہے کہ یہی رخصتیں جو حالت مجبوری میں دی گئی ہیں حق سبحانہ وتعالی کے یہاں زیادہ پسندیدہ اور باعث ثواب ہیں، چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے کہ اس کی دی ہوئی رخصتوں پر بھی اسی طرح عمل کیا جائے، جیسے اس کے اصل احکام پر عمل کیا جاتا ہے۔(مسند احمد 5832)

ان سب چیزوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عبادات جیسے اہم امور میں بھی حد سے تجاوز کر کے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کی اجازت نہیں دی گئی ہے اور جب اسلام نے انسان کو عبادات میں بھی گنجائش دیتے ہوئے اس کی جان کی حفاظت کو ترجیح دی

ہے تو پھر انسان اپنے آپ کو جان بوجھ کر ہلاک کیسے کرسکتا ہے؟ اور خودکشی جیسے برے فعل کو کیسے انجام دے سکتا ہے؟

یہ بات بھی واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی عبادت اور بندگی کے لیے پیدا کیا ہے، اور قرآن کریم میں بھی انسان کی تخلیق کا مقصد عبادت کو قرار دیا گیا ہے، چنانچہ عبادت ہی وہ ذریعہ ہے جس میں مشغول ہو کر بندہ اپنے رب کا قرب اور رضا حاصل کرتا ہے، اور جس کی وجہ سے رب بندے سے خوش ہو کر اس کو بندگی کے بلند مقام پر پہنچاتا ہے، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کو یہ بھی منظور نہیں ہے کہ بندہ عبادت میں غلو کر کے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالے، جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے کہ بعض صحابہ کرام نے عبادت میں غلو اختیار کرنے کا ارادہ ظاہر کیا، کسی نے شادی نہ کرنے کا فیصلہ کیا، تو کسی نے عبادت کے لیے راتوں میں نہ سونے کا اظہار کیا اور بعض نے تسلسل کے ساتھ روزے رکھنے کا عزم بھی کیا، لیکن جب اس کی خبر نبی کریم ﷺ کو ہوئی تو آپ نے ایسے سبھی صحابہ کرام کے لیے راہ اعتدال کی رہنمائی فرمائی اور اپنی سنت کو مضبوطی سے پکڑ لینے کی جانب رغبت دلائی اور ان کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں طاقت سے زیادہ مشغول ہو کر بھی اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا اللہ تعالیٰ کے یہاں پسندیدہ نہیں ہے۔ (بخاری 5063) اور جب اللہ تعالیٰ کے یہاں عبادت میں بھی ایسی مشقت پسندیدہ نہیں جس سے بندہ ہلاک ہو جائے تو خودکشی کرنا کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟ اس لیے خودکشی سے بچو اور اس طرح کی حرام موت بالکل اختیار نہ کرو۔

انسان کو مشکلوں، پریشانیوں اور مصائب میں اس لیے مبتلا کیا جاتا ہے کہ اس کے گناہ معاف کیے جاسکیں، نیکیوں میں اضافہ کیا جاسکے اور درجات بلند کیے جاسکیں جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: ایک مومن کو کانٹا چبھنے یا اس سے زیادہ کوئی تکلیف پہنچنے پر اللہ تعالیٰ اس کے درجات بلند فرماتا ہے یا اس کے گناہوں میں سے ایک گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ (صحیح مسلم 6562)

ایک دوسری جگہ ارشاد نبوی ہے: مومن کو جو بھی بیماری، تھکن، تکلیف، غم، پریشانی یا رنج پہنچتا ہے، یہاں تک کہ کانٹا بھی چبھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے اس کے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔ (صحیح البخاری 5641)

لہٰذا انسان کو مصائب، تنگیوں اور پریشانیوں سے نہ گھبرانا چاہیے اور نہ ہی کوئی ایسا غلط قدم اٹھانا چاہیے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب بنے بلکہ صبر، استقامت اور ہمت سے کام لینا چاہیے اور سمجھ لینا چاہیے کہ ہر مشکل کے بعد آسانی ضرور آتی ہے، پریشانی کے بعد سہولت بھی میسر آتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا۔ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا۔"

(بے شک ہر تنگی کے ساتھ آسانی ہے، یقیناً ہر تنگی کے ساتھ آسانی ہے۔)

اس کی تفسیر معارف القرآن میں مذکور ہے کہ یہاں دونوں عسر یعنی تنگی سے مراد صرف ایک ہی عسر ہے اور دونوں یسر یعنی آسانی سے مراد الگ الگ دو یا زائد آسانیاں ہیں، لہٰذا اس آیت میں "إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا۔" کے تکرار سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ایک ہی عسر و مشکل کے لئے دو آسانیوں کا وعدہ ہے اور دو سے مراد بھی خاص دو کا عدد نہیں بلکہ متعدد ہونا مراد ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ ایک عسر یعنی تنگی اور مشکل جو آپ کو پیش آئے گی۔ اس کے ساتھ بہت سی آسانیاں آپ کو دی جائیں گی۔

کتنی افسوس ناک بات ہے کہ ان واضح قرآنی بشارتوں اور نبوی تعلیمات کے باوجود انسان صبر، استقامت اور ہمت سے کام نہ لے کر اپنے ہاتھوں اپنی جان لے لے اور خودکشی جیسے گھناؤنے جرم کا مرتکب ہوکر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی مول لے لے، اور شدید عذاب کا مستحق بنے۔ لہٰذا ہر ایک انسان کو چاہیے کہ دنیوی عارضی مشکلات اور مصائب سے نہ گھبرائے اور اللہ تعالیٰ سے رحمت کی امید رکھے، اور رب کی رضا میں راضی رہے۔ جو بھی پریشانیاں اور مشکلیں دامن گیر ہوں گی ان شاء اللہ وہ سب ختم ہو جائیں گی اور بہت جلد ان شاء اللہ رب کریم کی رحمتیں اور نعمتیں شامل حال ہو جائیں گی۔ نیز پھر سے بہت سی خوشیاں اور مسرتیں نچھاور ہوں گی۔ یاد رکھیے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

”وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهُ“ (الطلاق:3)

(اور جو اللہ پر بھروسہ کرے، تو اللہ اس کے لیے کافی ہے۔)

اسی طرح ایک دوسری جگہ ہے:

”إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِينَ“ (البقرۃ:153)

(بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔)

اس لیے کوئی بھی غلط قدم نہ اٹھائیں اور خودکشی سے اپنے آپ کی حفاظت کریں۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک انسان کی مشکلوں اور پریشانیوں کو دور فرمائے اور خودکشی جیسی بری موت سے سب کی حفاظت فرمائے۔

****

(صفحہ: ۲۷ رکا بقیہ)

۵-علماء کے لیے سب سے آسان کام ہر چیز پر ”جائز“ کا لیبل لگا کر سوشل میڈیا پر سستی مقبولیت اور لائکس حاصل کرنا ہے، لیکن عالمگیر اصول ہے کہ نقصان کو دور کرنا، فائدہ حاصل کرنے پر مقدم ہوتا ہے، اگر مفتی آج عوامی دباؤ میں آ کر اسے جائز کہہ دیں اور کل کو یہ غبارہ پھٹ جائے، جیسا کہ کئی کرپٹو کوائنز کے ساتھ ہو چکا ہے تو لاکھوں لوگوں کی عمر بھر کی کمائی ڈوبنے کی اخلاقی اور شرعی ذمہ داری کس پر ہوگی؟ خلاصہ یہ کہ پہلے ناجائز اور بعد میں جائز کہنا کوئی تضاد یا مولویوں کی ”پرانی عادت“ نہیں، بلکہ یہ قانون کے ارتقاء کا حصہ ہے، شریعت کا اصول کبھی نہیں بدلتا، بلکہ جب کوئی چیز اپنی خامیاں دور کر کے شریعت کے معیار پر پوری اتر جاتی ہے تو اس پر لاگو ہونے والا حکم بدل جاتا ہے، اسے مفتیوں کی تبدیلی نہیں، بلکہ ٹیکنالوجی کی اصلاح کہنا چاہیے، لیکن اس باریک نکتے کو سمجھنے کے لیے سوشل میڈیا اسکرول کرنے کے بجائے تھوڑی عقل اور مطالعے کی ضرورت ہوتی ہے۔

قربِ قیامت کے فتنے

احادیثِ نبویہ کی روشنی میں

محمد عادل ارریاوی

الحمدللہ دینِ اسلام ایک ایسا مکمل ضابطۂ حیات ہے، جو ہر دور کے انسانوں کو فتنوں سے نجات کا راستہ دکھاتا ہے۔ جب بھی دنیا میں گمراہی ظلم وستم اور فتنوں کی آواز بلند ہوئی، قرآن کریم اور احادیث نبویہ نے اہل ایمان کی رہنمائی فرمائی اور انہیں حق پر ثابت قدم رہنے کی تعلیم دی ہے۔ آج کا موجودہ دور بھی بے شمار فتنوں، فکری انتشار اور ایمانی آزمائشوں کا دور ہے، جس میں ہر صاحب ایمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ قرب قیامت کی علامات، فتنوں کی حقیقت اور ان سے حفاظت کے نبوی طریقوں سے آگاہ ہو۔ یہی عقل مندی انسان کو گمراہی سے محفوظ رکھتی ہے، ایمان کو مضبوط بناتی ہے اور آخرت کی کامیابی کی راہ آسان کرتی ہے۔

اگر ہم آج موجودہ دور کے پرآشوب حالات پر ایک طائرانہ نظر ڈالیں تو یہ بات کسی بھی عقل وشعور والے شخص سے چھپی نہیں ہے کہ آج ہر سو فتنے اپنے عروج پر ہیں، گناہوں کا ایک راستہ رواں ہے، جس نے ہر کس وناکس کو اپنے لپیٹ میں لے رکھا ہے، قتل وغارت، ظلم وستم کا دور ہے، فرقہ بندیوں نے مسلمانوں کی اتحادی اور اجتماعی طاقت کو بکھیر رکھا ہے، نفسانی خواہشات اور لذات دنیاوی کا انہماک بڑھتا جارہا ہے، یہ سارے احوال دیکھ کر ہمیں یہ یقین کرنے میں ذرہ برابر بھی تامل نہیں ہوتا کہ یہ وہی دور فتن ہے جس کی جانب نبی آخرالزماں محمد عربی ﷺ نے صاف انداز میں پیشین گوئیاں فرمائی ہیں، جو ساڑھے چودہ سو سال بعد حرف بحرف صادق آرہی ہیں، آپ نے اس سے حفاظت کے لیے رہنما خطوط مقرر کیے ہیں، محدثین عظام نے مکمل ابواب الفتن یا کتاب الفتن کے عنوان سے ان تمام احادیث کو ذکر کردیا ہے۔

قیامت قائم ہونے کا عقیدہ، اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے۔ قیامت کے قائم ہونے کے وقت کو اللہ ربّ العزت نے تمام مخلوقات سے مخفی رکھا ہے، البتہ نبی اکرم ﷺ نے اپنی امت کے لیے قیامت کی علامات ذکر کردی ہیں، تاکہ امت قیامت سے باخبر اور فکرمند رہے۔ احادیث نبوی میں صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ جب قیامت کا وقت قریب آئے گا تو یکے بعد دیگرے فتنوں کی برسات ہوگی، ہر آنے والا زمانہ اپنے پہلے والے زمانے سے زیادہ برا اور شر کا حامل ہوگا۔

دجالی فتنوں کی شرانگیزیاں زوروں پر ہوں گی، مسلمان آزمائش کی انتہائی دشوار گزار گھاٹیوں سے گزریں گے، ایمان کی حفاظت مشکل سے مشکل تر بن جائے گی، اس کے بعد حضرت مہدی کا ظہور اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا، اور وہ دجال اور دجالی فتنوں کا قلع قمع کریں گے۔

اگر غور وفکر کی نگاہ سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ قدم قدم پر بے شمار فتنوں نے جنم لے رکھا ہے۔ ہر طرف ایمان

پر حملے ہو رہے ہیں، باطل پرست نئے نئے انداز میں حق کو مٹانے کی ناپاک کوشش کر رہے ہیں، گناہوں کو خوبصورت بنا کر پیش کیا جا رہا ہے اور دین سے دوری کو ترقی کا نام دیا جا رہا ہے۔ ایسے حالات میں ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اپنے ایمان و عقیدہ کی حفاظت کی فکر کرے، فتنوں کی حقیقت کو سمجھے اور ان مبارک تعلیمات کو مضبوطی سے تھام لے، جو خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو آنے والے فتنوں سے بچنے کے لیے عطا فرمائی ہیں۔ یہی وہ راستہ ہے جو انسان کو گمراہی کے اندھیروں سے نکال کر ہدایت کی روشنی تک پہنچاتا ہے۔

قربِ قیامت کے ان تمام آفتوں سے بچنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح اور فکر انگیز الفاظ میں امت کے لیے تدبیریں مہیا فرمائی ہیں، یہ تمام تدبیریں اور رہنمائیاں اس دور پرفتن میں ہمارے لیے مشعلِ راہ اور ہدایت ہیں جن سے آزمائشوں کی ہر راہ میں روشنی کا انتظام ہوتا رہے گا۔ یہ زمانہ بعد نبوت اور قربِ قیامت کا ہے، ایمان سوز و دل سوز باتیں اور الحاد و ارتداد کے واقعات دن بدن کثرت سے سننے اور دیکھنے میں آ رہے ہیں، اس قسم کے فتنوں کی پیشینگوئی خود سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما رکھی ہے۔

سیدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: نیک اعمال میں جلدی کرو فتنوں کے آنے سے پہلے پہلے، صبح کو ایک شخص مومن ہوگا شام ہوتے ہوتے کافر ہو جائے گا اور شام کو ایک شخص مومن ہوگا صبح ہوتے ہوتے کافر ہو جائے گا، وہ اپنے دین کو دنیا کے عوض بیچ دے گا۔ (رواہ مسلم)

اس قسم کے فتنوں سے عموماً وہی مسلمان متاثر ہوتا ہے جن کے سامنے اسلامی عقائد اور دینی معلومات نہیں ہوتی ہے۔ قیامت اور علامات قیامت کو صحیح طور سے تسلیم کرنا ایمان کا لازمی حصہ ہے، اگر اس میں ذرا برابر بھی کمی اختیار کی گئی تو عند اللہ اس کا ایمان معتبر نہیں ہوگا۔

اللہ ربّ العزت ہمیں ہر ظاہر و باطن فتنوں سے محفوظ رکھے، ایمان پر استقامت عطا کرے، قرآن و سنت پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے اور ہمارا خاتمہ ایمان پر فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

****

سائنس اور قرآن

حضرت مولانا ثمیر الدین صاحب قاسمی

فرعون کی لاش

قرآن نے اس بات کا اعلان کیا تھا کہ فرعون کی لاش کو محفوظ رکھیں گے اور بعد میں آنے والوں کے لئے عبرت بنائیں گے۔ چنانچہ آج سے کئی سو سال پہلے سے فرعون کی لاش بغیر کسی خاص دوائی کے قاہرہ کے شاہی عجائب خانہ میں محفوظ ہے، کتنے ہزار سال یہ لاش بغیر کسی دوائی کے سمندر میں رہی ہوگی، پھر کئی سال ویرانے میں پڑی رہی ہوگی۔ ابھی ترقیات کے بعد ۱۸۸۹ء سے اس پر انسانی لاش کو محفوظ رکھنے کی دوائی لگائی ہے اور اس کو قاہرہ کے شاہی عجائب خانہ میں رکھی ہے، لیکن اللہ کا کلام کتنا سچا اور پکا ہے کہ ہزاروں حادثات کے بعد بھی فرعون کی لاش محفوظ ہے، ہر روز لوگ اس کی لاش کو دیکھنے جاتے ہیں ارشاد ہے:

”فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ“ (سورۃ یونس ۱۰ آیت ۹۲)

(سو آج ہم تیرے جسم کو نجات دے دیں گے تاکہ تو ایک نشان عبرت پیچھے آنے والوں کے لئے رہے۔ اور بیشک بہت سے لوگ ہماری ایسی نشانیوں سے غافل ہیں۔)

اگر قاہرہ کے عجائب خانہ میں اسی فرعون کی لاش محفوظ ہے، جس کی خبر قرآن کریم نے دی ہے تو یہ کتنی حیرت انگیز بات ہے کہ اللہ نے جو وعدہ فرمایا اس کی نشانی آج تک محفوظ ہے، اگر قرآن کریم کسی انسان کی کتاب ہوتی تو نہ وہ اتنا زوردار وعدہ کر سکتا تھا اور نہ ہی لاش اتنے ہزار سال محفوظ رہ سکتی تھی۔

طوفان نوح ایک حقیقت ہے

برطانیہ محکمہ اثرات کے سابق ڈائرکٹر جنرل سر لیونارڈ وولے نے اپنی کتاب Excavation At Ur مقام اُر پر حفریائی کام (ماخوذ بائبل، قرآن اور سائنس صفحہ ۳۴۳) میں لکھا ہے کہ کھودائی کے دوران بہت سی پرانی تختیاں ملیں ہیں جن میں لکھا ہوا ہے کہ طوفان نوح آیا تھا اور چند مومنین کے علاوہ تمام انسان ہلاک ہو گئے تھے، بعض تختی پر یہ لکھا ہوا ہے کہ کشتی نوح بہتی ہوئی جبل نصیر پر جا کر لگی، جبل نصیر کے ایک حصے کا نام ”جودی“ ہے، یہ پہاڑ موصل اور دریائے دجلہ کے مشرق میں، دریائے زاب کے قریب واقع ہے۔ اس کے علاوہ توریت، انجیل وغیرہ میں بھی اس طوفان کا تذکرہ موجود ہے،

کھدائی کی تختیوں نے ثابت کر دیا کہ قرآن میں طوفان نوح کا تذکرہ بالکل صحیح ہے، حیرت کی بات یہ ہے کہ ہزاروں سال کے بعد قرآن کی صداقت تحقیقات کے ذریعہ ثابت ہو رہی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

"وَقَوْمَ نُوحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً" (سورۃ الفرقان ۲۵ آیت ۳۷)

(اور ہم نے قوم نوح کو بھی ہلاک کیا، جب انہوں نے پیغمبروں کو جھٹلا، یا ہم نے انہیں غرق کر دیا اور ہم نے انہیں ایک نشان عبرت بنا دیا۔)

دوسری آیت میں ہے:

"وَقُضِيَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيِّ وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ" (سورۃ ہود ۱۱ آیت ۴۴)

(اور کام پورا ہو گیا اور کشتی جودی پر آ کر ٹھہری اور کہہ دیا گیا کہ اپنے اوپر ظلم کرنے والے لوگ رحمت سے دور ہو گئے۔)

طوفان نوح کے بارے میں قرآن نے جو کچھ کہا آج کی علم حفریات اور خدائی معلومات نے ان تمام باتوں کی تصدیق کر دی۔ آج سینکڑوں سال کے بعد قرآن کے سائنسی معجزات آہستہ آہستہ ظاہر ہو رہے ہیں۔

اصحاب کہف کا غار

عمان شہر اردن کے تین میل کے فاصلے پر ۱۹۶۳ء میں ایک غار کا انکشاف ہوا ہے، جس کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ غار اصحاب کہف کا ہے، اگر یہ حقیقت میں وہی غار ہے جس میں اصحاب کہف سوئے تھے، تو قرآن کے ایک عجیب معجزے کا اظہار ہے۔

۸ مئی ۱۹۹۶ء کو دوپہر کے وقت میں خود اس غار پر گیا ہوں، بیان قرآن کے بہت سے قرائن اس غار میں پائے جاتے ہیں مثلاً:

(۱) غار کا منہ جنوب کی جانب ہے کوئی آدمی غار میں داخل ہونے کے لئے کھڑا ہو تو اعلان قرآن کے مطابق سورج غار کی دائیں جانب سے نکلتا ہے اور اس کی بائیں جانب غروب ہوتا ہے۔

(۲) سورج کی کرنیں غار کے دروازے تک آتی ہیں غار کے اندر داخل نہیں ہو پاتیں۔ البتہ روشنی کا عکس غار کے اندر خوب جاتا ہے۔

(۳) غار کا منہ اتنا کشادہ نہیں ہے لیکن غار اندر سے کافی کشادہ ہے، جس میں تقریباً پندرہ آدمی بآسانی سو سکتے ہوں جو "وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ" کا منظر پیش کرتا ہے۔

(۴) بیداری کے بعد ایک ساتھی کو کھانا لانے کے لئے شہر روانہ کیا تھا، جس کا مطلب یہ ہے کہ شہر اس غار سے بہت دور نہیں تھا (جیسا کہ حضرت مفتی شفیع صاحب نے اپنی تفسیر معارف القرآن میں فرمایا) اس غار سے شہر عمان ابھی صرف تین

میل کے فاصلے پر ہے، البتہ یہ غار سنسان جگہ میں ہے اور اہل شہر کی گزرگاہ اس طرف نہیں ہے۔

(۵) غار کے اوپر پرانے ساخت کی مسجد بنی ہوئی ہے جو ابھی اوپر سے ٹوٹ چکی ہے صرف بنیاد باقی ہے۔

(۶) غار کے اندر آٹھ قبریں پتھر کی بنی ہوئی ہیں، ان تمام قبروں کی ہڈیاں جمع کر کے ایک قبر میں رکھ دی گئی ہیں اور زائرین کے دیکھنے کے لئے اس قبر میں چھوٹا سا سوراخ کر دیا گیا ہے اور اندر ایک بلب ڈال دیا گیا ہے جس سے اصحاب کہف کی بکھری ہوئی ہڈیاں نظر آتی ہیں، اس قبر میں سات آدمیوں کی کھوپڑیاں ہیں، ان کے ہاتھ، پاؤں، پسلی وغیرہ کی ہڈیاں موجود ہیں، ایک الگ شیشے کی الماری میں ایک کتے کے سر کی ہڈی موجود ہے، اس الماری میں ایک چھوٹی سی موٹی روٹی بھی موجود ہے، کہتے ہیں یہ وہی روٹی ہے جس کو اصحاب کہف شہر سے خرید کر لائے تھے۔ الماری میں پرانے ساخت کی مٹی کا لوٹا، چراغ اور تسبیح بھی موجود ہے۔ واللہ اعلم

(۷) میرے راہنما نے بتایا کہ عمان شہر کا پرانا حصہ پچھلے زمانے میں حضرت شعیبؑ کی قوم اہل مدین تھی اور عمان شہر کا نیا حصہ اہل ایکہ باغ والے تھے، ہم لوگوں کو صحیح ہونے کا یقین اس لئے بھی ہوتا ہے کہ شہر عمان سے پندرہ میل دور ایک وادی میں حضرت شعیبؑ کی قبر ہے اور وہاں بھی ایک مسجد بنی ہوئی ہے۔

(۸) عمان کا شہر حضرت عیسیٰؑ کی جائے پیدائش بیت اللحم یروشلم سے صرف ساٹھ ستر میل دوری پر ہے اور بحر میت مقام قوم لوطؑ سے تیس میل دور ہے، یہ سارے مقامات انبیاء بنی اسرائیل کی تبلیغ کی جگہ رہی ہے، انکی تبلیغ سے متاثر ہو کر یہ نوجوان ایمان لائے ہوں اور ان حضرات کا مسکن شہر عمان کے قریب ہو، اس لئے خیال کیا جاتا ہے کہ یہ غار اصحاب کہف کا غار ہوگا، یوں تو اصحاب کہف کے غار کے سلسلے میں تین مقامات اور بتائے جاتے ہیں کہ وہاں ان کا غار تھا۔

اگر عمان والے غار کو اصحاب کہف کا غار مان لیا جائے، تو کتنی حیرت ہوتی ہے کہ آج تک ان مؤمنین نوجوانوں کی ہڈیاں اللہ نے باقی رکھی ہیں۔ اس کی روٹی تک کو محفوظ رکھا ہے، جو چند دنوں میں سڑ گل جانے والی چیز ہے، اور وہ سارے قرائن پائے جاتے ہیں جن کو قرآن نے اعجازی انداز میں ذکر کیا ہے، آج علم حفریات قرآن کی تاریخ کو زندہ کر رہا ہے اور اس کے تذکرے کو ثابت کر رہا ہے۔ آپ اصحاب کہف کے غار کے بارے میں عجائبات سننے کے بعد ان آیتوں کو پڑھیں:

''اِذْوَی الْفِتْیَۃُ اِلَی الْکَھْفِ فَقَالُوا رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً وَّ ھَیِّیْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَداً'' (سورۃ الکہف ۱۸ آیت ۱۰)

(اور وہ وقت قابل ذکر ہے جب ان نوجوانوں نے غار میں جا کر پناہ لی، پھر بولے اے ہمارے پروردگار ہمیں اپنے پاس سے رحمت و فضل عطا کر اور ہمارے لئے اس کام میں درستی کا سامان کر دے۔)

بحر میت

بحر میت بھی اللہ کی نشانیوں میں سے ایک ہے ۲۰۶۱ء قبل از مسیح اس مقام پر قوم لوط کی بستیاں موجود تھیں، یہاں

ان کے چار بڑے بڑے شہر آباد تھے اور قوم سدوم اور قوم عمورہ رہتی تھیں، ان لوگوں نے شرک کے ساتھ لواطت شروع کی حضرت لوطؑ نے پیغمبرانہ انداز میں ان کو منع کیا، لیکن انہوں نے نہ مانا آخر حضرت جبرئیلؑ نے اللہ کے حکم سے ان کی بستیوں کو آسمان کی طرف اٹھایا اور الٹ دیا اور ان پر آگ کی بارش برسادی اور ہر آدمی کا نام کا لکھا ہوا پتھر اس پر برسایا، حضرت لوطؑ اور ان کے ساتھ مومنین کو چھوڑ کر ساری بستیاں تباہ ہوگئیں، اور آج تک وہ ناظرین کے لئے نشان عبرت بنی ہوئی ہیں۔

میں خود مئی ۱۹۹۶ء کو بحر میت پر گیا، یہ جگہ عمان سے پچیس میل کی دوری پر ہے اور قبر شعیب علیہ السلام سے پچیس میل دوری پر ہے، دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ واقعی یہاں کبھی بستی رہی ہوگی جس کو الٹ کر بحر میت بنا دیا گیا ہے، میں نے اس کے پانی کو چکھا تو دیکھا کہ جس طرح گوشت کو جلا کر پانی میں ڈال دیا جائے، تو جلنے کے اثرات سے پانی کا مزا کڑوا ہو جاتا ہے، اسی طرح بحر میت کا پانی کڑوا سا لگتا ہے، اس کو ہاتھ میں لیا ایسا چکنا سا لگا جیسے ہاتھ پر تیل مل لیا ہو، خیال کیا جاتا ہے کہ عذاب الٰہی میں کثرت سے آدمی کے مرنے کے اثرات آج تک بحر میت میں موجود ہیں۔

قرآن کریم نے اس کے متعلق فرمایا:

"وَ اَمۡطَرۡنَا عَلَیۡہِمۡ مَّطَرًا ؕ فَانۡظُرۡ کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الۡمُجۡرِمِیۡنَ" (سورۃ الاعراف ۷ آیت ۸۴)

(اور ہم نے ان پر مینہ برسا دیا سو تو دیکھ لے مجرموں کا کیسا انجام ہوا؟)

صرف یہی نہیں کہ ان کی بستیوں کو الٹ کر ان قوموں کو ہلاک کر دیا، بل کہ ہمیشہ کے لئے ان کی بستی کو بحر میت میں تبدیل کر دیا اور ہر دیکھنے والوں کے لئے نشان عبرت بنا دیا

****

واللہ خیر الرازقین

ایک شخص کا ایک غلام تھا جو بہت محنتی اور ایماندار تھا، اس کی ماں، بیوی اور بچے بھی اس کے ساتھ تھے۔ ایک دن وہ کام پہ نہ آیا تو اس کے مالک نے سوچا کہ مجھے اس کی تنخواہ میں کچھ اضافہ کر دینا چاہیے، تا کہ وہ اور دلجمعی سے کام کرے اور آئندہ غائب نہ ہو۔ اگلے دن مالک نے اس کی مقررہ تنخواہ سے کچھ زیادہ پیسے اسے دیے جو اس نے خاموشی سے رکھ لیے اور کچھ نہ کہا، لیکن کچھ دنوں بعد جب وہ دوبارہ غیر حاضر ہوا، تو اس کے مالک نے غصے میں آ کر اس کی تنخواہ میں کیا گیا اضافہ ختم کرنے کا فیصلہ کیا اور اگلے دن پھر اس کو پہلے والی تنخواہ ہی دی، غلام نے اب بھی خاموشی اختیار کی اور کچھ نہ کہا، تو مالک نے پوچھا: جب میں نے اضافہ کیا تو تم خاموش رہے اور اب جب کمی کی تو پھر بھی خاموش ہو کیوں؟

تب غلام نے جواب دیا: جب میں پہلے دن غیر حاضر تھا تو اس کی وجہ بچے کی پیدائش تھی اور آپ کی طرف سے تنخواہ میں اضافے کو میں نے وہ رزق خیال کیا جو وہ اپنے ساتھ لے کر آیا، اور جب میں دوسری مرتبہ غیر حاضر تھا تو اس کی وجہ میری ماں کی وفات تھی اور آپ کی طرف سے تنخواہ میں کمی کو میں نے وہ رزق خیال کیا جو وہ اپنے ساتھ واپس لے گئی۔ پھر میں اس رزق کے خاطر کیوں پریشان ہوں جس کا ذمہ خود اللہ نے اٹھایا ہوا ہے۔

****

یادرفتگاں

شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب امروہویؒ

سابق استاذ حدیث وادب دارالعلوم دیوبند

ابوطہ محمد صغیر پرتاپ گڑھی

دارالعلوم دیوبند کے ان عظیم اساتذہ میں سے جن کی دینی وعلمی خدمات کا دائرہ بڑا وسیع رہا ہے، اور جن کے عظیم کارناموں سے آج بھی دارالعلوم کی تاریخ روشن ہے، ان میں ایک نمایاں نام شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب امروہوی رحمۃ اللہ علیہ (المولود: ۱۳۰۱ھ، مطابق ۱۸۸۲ء---المتوفی: ۱۳۷۴ھ، مطابق م ۱۹۵۵ء) کا ہے، آپ ایک عظیم مفسر، مایۂ ناز محدث، اور بے مثال فقیہ ہونے کے ساتھ، عربی زبان وادب کے ممتاز اور صاحب طرز ادیب بھی تھے۔ ساتھ ہی اللہ رب العزت نے آپ کو غیر معمولی نظم ونسق اور حسن تدبیر کی صلاحیت بھی عطا فرمائی تھی، یہی وجہ ہے کہ دارالعلوم کے نظم ونسق میں آپ کی رائے کو بڑی اہمیت دی جاتی تھی اور مختلف زمانوں میں بڑے اہم امور آپ سے متعلق رہے۔ آپ نے دارالعلوم دیوبند میں تقریباً نصف صدی تک تمام ہی علوم وفنون کی کتابوں کا انتہائی کامیابی کے ساتھ درس دیا۔ نسلوں نے آپ کے چشمہ علمی سے اکتساب فیض کیا اور آفتاب وماہتاب بن کر دنیا میں چمکے۔

بڑے عابد وزاہد اور متواضع وقانع تھے، چلتے ہوئے ایسی خاموشی کی چال اور ایسا متواضعانہ انداز اختیار کرتے کہ طلبہ کو پتہ نہ چلتا کہ حضرت الاستاذ آرہے ہیں۔ پڑھنے پڑھانے سے اس قدر دلچسپی تھی کہ نہ کھانے کا ہوش رہتا تھا اور نہ سونے کا، شاید ہی چوبیس گھنٹے میں چند گھنٹے آرام فرتے رہے ہوں۔ گویا فنا فی العلم تھے۔ ان سب خوبیوں کے ساتھ آپ ایک انتہائی شفیق ومہربان مربی بھی تھے، طلبہ کی تعلیم وتربیت پر آپ کی خصوصی توجہ رہتی تھی۔ محنتی اور ذہین طلبہ آپ کی نظروں میں رہتے، اوران کے اندر اپنی علمی صلاحیتوں کو مزید پختہ کرنے کا جذبہ ابھارتے رہتے۔ اوران کو خصوصی طور پڑھانے کے لیے بلا تکلف اپنے انتہائی قیمتی اور مصروف اوقات میں سے کچھ وقت نکال لیتے۔

آپ کے شاگرد رشید حضرت مولانا سعید احمد اکبرآبادی آپ کے اوصاف حمیدہ وعلمی انہماک کو بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''گذشتہ نصف صدی میں اس درسگاہ (دارالعلوم دیوبند) کو تعلیم وتعلم کے اعتبار سے جو شہرت حاصل رہی ہے، اس میں ایک بڑا حصہ حضرت مرحوم کا تھا۔ مولانا مرحوم، علم وعمل، اخلاق وفضائل اور مکارم وشمائل کے لحاظ سے محاسن ومحامد کا ایک گلدستہ صدرنگ تھے۔ لیکن آپ کا سب سے بڑا نمایاں وصف وامتیاز جس میں کوئی ہم عصر شریک نہیں ہوسکتا تھا وہ یہ تھا

کہ آپ ''مثالی استاذ'' تھے۔ وقت کی پابندی کا یہ عالم نہ کہیں دیکھا نہ سنا کہ گھنٹہ ابھی بجا ہی ہے کہ مولانا درس گاہ میں موجود ہیں۔ نہ ایک منٹ اِدھر، نہ ایک منٹ اُدھر، پھر جب تک درس گاہ میں ہیں کیا مجال کہ سوائے درس کے کوئی دوسری بات یا کوئی اور کام کرلیں، مسلسل پانچ پانچ اور چھ چھ گھنٹے سبق پڑھا رہے ہیں اور باضابطگی و باقاعدگی کی کیفیت یہ ہے کہ نہ ایک سبق کے گھنٹہ کا تداخل، دوسرے سبق کے گھنٹے میں ہوتا ہے، نہ نشست بدلتی ہے، نہ ٹیک لگاتے ہیں، نہ پان ہے نہ پانی، نہ اِدھر اُدھر کی کوئی بات، طالب علم نے عبارت پڑھی اور تقریر شروع ہوگئی، عبارت پڑھنے میں اگر طالب علم نے غلطی کی ہے یا دوران تقریر میں وہ بے توجہی کرتے ہوئے پکڑ لیا گیا ہے، تو البتہ درس کے ساتھ ساتھ دو چار کلمات زجر وتوبیخ کے اور دو چار لفظ نصیحت وتعبیر کے ضرور فرمادیئے ہیں۔ گھنٹہ جونہی بجا اور اس کے بعد اب کوئی دوسرا سبق نہیں ہے، تو سیدھے کتاب اٹھا، اپنے کمرہ میں تشریف لے گئے۔

بظاہر دیکھنے میں ایسے خشک کہ درس کے درمیان شاید ہی کبھی کسی نے انھیں ہنستا دیکھا ہو، دیر آمیز اور کم آمیز اتنے کہ طالب علم کے ساتھ بے تکلف ہونا تو جانتے ہی نہ تھے۔ لیکن درحقیقت بے حد شفیق اور حد درجہ غمگسار تھے، جس طالب علم کو شوقین، ذہین اور محنتی پاتے تھے، دل وجان سے اس کی خدمت کر کے خوشی محسوس کرتے تھے، خارج اوقات میں بھی اسے پڑھاتے، چھٹی کے دن بھی درس دیتے، گویا ان کا بس نا تھا کہ علم وفن کے نکات کسی طرح اسے گھول کر پلا دیں۔ پھر اپنے کام سے کام تھا، نہ کسی سے کوئی غرض نہ واسطہ، نہ اعزاز کی آرزو، نہ زیادہ تنخواہ کی طلب، ہمیشہ درویشانہ اور فقیرانہ زندگی بسر کی۔ دن اور رات کا ایک ایک لمحہ علم اور دین اور طلبا کی خدمت کے لئے وقف تھا۔

''طبیعت کے حد درجہ مرنج ومرنجان تھے۔ باتیں کم کرتے تھے۔ مگر کسی مشورہ کے وقت جب بھی کوئی بات کہتے تھے تو پوری قوت کے ساتھ اور جما کر کہتے تھے۔ مزاج میں شرم وحیا اس قدر رچی اور بسی ہوئی تھی کہ اکثر درس میں بھی نگاہ نیچی رکھتے تھے، تہذیب اور شائستگی کا یہ عالم تھا کہ بے تکلف سے بے تکلف مجمع احباب میں بھی کبھی کوئی نامناسب لفظ زبان پر نہیں آتا تھا، چھوٹے بچوں اور طالب علموں کو بھی ''تم'' نہ کہتے، ''آپ'' سے خطاب کرتے تھے۔'' (ماہنامہ البرہان دہلی بابت ماہ اپریل ۱۹۵۵ء صفحہ: ۱۹۵)

آپ کے ایک اور شاگرد حضرت مولانا سید فرید الوحیدی صاحب لکھتے ہیں:

''یوں تو عام طور پر طلبہ سے حضرت کو تعلق اور محبت تھی ہی، مگر ذہین اور شوقین طلبہ پر حضرت کی خصوصی توجہات رہتی تھیں، طلب علم اور اس میں شغف کے سوا کسی قسم کی خدمت، کوئی معاملہ ایسا نہ تھا جس سے طلبہ حضرت استاذ رحمۃ اللہ علیہ کی یہ خصوصی توجہ حاصل کرسکنے میں کامیاب ہوجاتے، بعض نہ پڑھنے والے طلبہ مختلف قسم کے ذرائع اور سفارشیں استعمال کرتے تھے، مگر یہ چیزیں کبھی اثر انداز نہیں ہوسکیں، ہاں اسباق میں حاضر باش اور علم کا شوقین طالب علم، ممدوح کے ذہن میں ایک مستقل مقام حاصل کرلیتا تھا۔ بہت سے طلبہ ایسے تھے جو کبھی خدمت میں حاضر نہ ہوتے تھے اور حضرت اُن کے

دوسرے حالات سے واقف بھی نہ ہوتے تھے، مگر اپنے علمی شغف اور محنت کی بنا پر حضرت کے لئے مرکز توجہ رہتے تھے۔

راستے میں چلتے ہوئے سر کو جھکا کر چلتے تھے۔ ادھر ادھر نظریں نہیں اُٹھاتے تھے، مگر کوئی طالب علم اگر مطالعہ یا مذاکرہ میں مشغول نظر آیا تو اُس کے قریب یا محاذ میں پہونچ کر نظریں اس کی جانب اُٹھ جاتی تھیں اور دو چار قدم تک غور اور شفقت کے ساتھ اُسے دیکھتے چلے جاتے تھے اور پھر وہ طالب علم ذہن میں ایک جگہ حاصل کر لیتا تھا۔

سبق میں، راستے میں، یا کمرہ پر اگر کسی نے کوئی علمی اشکال پیش کیا، تو اسی لمحہ اسے مطمئن کرنے پر تیار ہو گئے۔ کوئی وقت ایسا نہ تھا کہ اس قسم کے سوالات کرنے والوں یا اشکالات پیش کرنے والوں سے گریز ہو۔ رات کے بارہ بجے ہیں، ابھی بخاری یا ترمذی کا درس دے کر تشریف لائے ہیں اور کسی کتاب کے مطالعہ میں مشغول ہیں، اتنے میں کوئی طالب علم حاضر ہوا، نہایت شفقت سے بٹھایا اور پھر آنے کا سبب دریافت کیا، طالب علم نے اپنی الجھن بیان کی، حضرت نے بلا تکلف اس کی تشفی کا سامان فراہم کر دیا۔ اس نے اگر بے وقت تکلیف دہی پر معذرت کی تو حضرت نے مخصوص انداز میں فرمایا ''مولوی صاحب اللہ جانے مجھے کوئی تکلیف نہیں ہوئی، حق تعالی آپ کو ترقی علم وعمل دے، جس وقت کوئی ضرورت ہو، بلا تکلف تشریف لے آیئے۔''

''طالب علم رخصت ہوا، وقت کافی ہو چکا ہے، صبح فجر سے پہلے چند طلبہ کو کوئی کتاب پڑھانی ہے، اس کے بعد ایک طالب کا قرآن سننا ہے، فجر کے بعد سے نو بجے تک مسلسل ہدایہ آخیرین کا درس دینا ہے، مگر مطالعہ کا سلسلہ پھر جاری ہو گیا۔ ان مصروفیتوں کے ساتھ بعض طلبہ کے پیہم اصرار اور ان کے ازدیاد شوق سے مجبور ہو کر کوئی خصوصی سبق بھی شروع کرا دیتے تھے، یا کسی حافظ طالب علم کا قرآن سنا کرتے تھے، ان اسباق کے لئے یہ ضروری نہ تھا کہ وہ اہم اور منتہی اسباق ہوں۔ اس کا معیار محض درخواست کرنے والے طلبہ کی طلب اور ان کا شوق تھا۔ اگر طلبہ شوقین ہیں اور طلب صادق ہے تو ''نحو میر'' اور ''نفحۃ العرب'' بھی پڑھاتے تھے، اور عجیب بات یہ تھی کہ جب شروع کرا دیا تو چھوٹے سے چھوٹے سبق کی بھی اسی قدر پابندی فرماتے تھے، جس قدر ''ہدایہ آخیرین'' اور ''ابوداؤد'' کی پابندی فرماتے تھے۔

ایک شوقین طالب علم نے ایک مرتبہ ایک سبق کی فرمائش کی، حضرت نے وقت کی کمی کا عذر فرمایا، مگر اس کا اصرار بڑھتا گیا تو حضرت نے اسے بارہ بجے رات کا وقت دیا اور فرمایا اس وقت میں کمرہ سے اُٹھ کر گھر جاتا ہوں، راستے میں آپ سبق پڑھ لیا کریں، چنانچہ وہ طالب علم اسی طرح اکتساب فیض کرتا رہا اور حضرت اس کا تذکرہ بہت خوش ہو کر فرمایا کرتے تھے کہ اس نے کبھی ناغہ نہیں کیا۔ (ماہنامہ الفرقان لکھنؤ، بابت ماہ شعبان و رمضان ۱۳۷۴ھ، صفحہ: ۴۷)

فخر المحدثین حضرت مولانا سید انظر شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ:

''میں نے آپ سے ''نفحۃ العرب'' پڑھنے کی درخواست کی تو فرمایا کوئی وقت تو خالی نہیں ہے، ہاں اگر تم آسکو تو اذان فجر سے ایک گھنٹہ پہلے آجایا کرو۔ چنانچہ جب بندہ حاضر ہوا تو دیکھا کہ حضرت بیٹھے ہوئے فتاویٰ لکھ رہے ہیں، اور

چائے انگیٹھی پر چڑھی ہوئی ہے۔''

حضرت مولانا مفتی فضیل الرحمان ہلال عثمانیؒ لکھتے ہیں:

''حضرت شیخ الادب صاحب انتہائی مصروف انسان تھے، رات کے چند گھنٹے سونے کے علاوہ ان کا کوئی وقت خالی نہیں تھا۔ اکثر بڑی بڑی کتابیں پڑھاتے تھے، جن میں دورۂ حدیث کی کتاب ترمذی بھی ہوتی تھی۔ ان کی مصروفیت کا عالم یہ تھا کہ مسجد کے اپنے کمرے سے نکل کر نماز کی پہلی صف میں شامل ہونے کے لئے جاتے جاتے بھی وہ پڑھاتے جاتے تھے، بعض طلبہ کو یہی وقت دے رکھا تھا کہ جب کمرے سے نکل کر نماز کے لئے چلوں تو اس وقت پڑھ لیا کرو۔''

آپ سے کتنے لوگوں نے استفادہ کیا اور آپ کے علمی لعل و جواہر سے اپنے دامن کو بھرا؟ صحیح تعداد تو عالم الغیب والشہادۃ ہی جانے، البتہ اتنی بات متعین ہے کہ شاگردوں کی تعداد سیکڑوں میں نہیں بلکہ ہزاروں میں ہے۔ حضرت مولانا سید فرید الوحیدی صاحب کے یہ الفاظ اسی جانب مشیر ہیں:

''حضرت شیخ الادب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک اہم خصوصیت جو اپنے مفہوم اور افادیت کے اعتبار سے درحقیقت علمی خصوصیت تھی، وہ دار العلوم دیو بند اور طلبائے علوم عربیہ سے شفقت اور تعلق خاطر تھا، اس میں کوئی مبالغہ نہیں اور حضرت کے کم وبیش ''پچیس ہزار تلامذہ وخدام'' کے غم واندوہ سے لبریز قلوب اس بات کی شہادت دیں گے کہ طلبہ سے بلا امتیاز وبلا استثناء حضرت کو حقیقی باپ سے کچھ کم تعلق اور محبت نہیں نہ تھی۔'' (ماہ نامہ الفرقان لکھنؤ، بابت ماہ شعبان ورمضان ۱۳۷۴ھ، صفحہ: ۷۳)

فخر المحدثین حضرت مولانا سید انظر شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے:

''مولانا کے تلامذہ کی تعداد پانچ چھ ہزار سے کم نہ ہوگی۔ امام العصر حضرت العلامہ مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری اور حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی کے اکثر تلامذہ حضرت مولانا سے بلا واسطہ استفادہ کرنے والے ہیں۔ مولانا ممدوح کے اکثر شاگرد ذی علم وصاحب لیاقت ہیں۔ ہندو پاکستان کے اکثر مدارس میں مولانا کے تلامذہ کام کر رہے ہیں۔ احقر کا خیال ہے کہ اگر مولانا کے بلا واسطہ شاگردوں کے ساتھ بالواسطہ تلامذہ کو بھی شمار کر لیا جائے تو دیو بندی جماعت میں تلاندہ کا اس قدر وسیع حلقہ کسی اور کا نظر نہیں آتا۔'' (تذکرۃ الاعزاز ص: ۷۸) یہاں جس تعداد کا ذکر ہے، غالباً اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنھوں نے دورہ حدیث کی کوئی کتاب حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی، اور دار العلوم دیو بند سے فراغت حاصل کی، جب کہ مولانا وحیدی صاحب نے جس تعداد کا ذکر فرمایا ہے، اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنھوں نے کسی نہ کسی شکل میں حضرت رحمۃ اللہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا، خواہ دار العلوم دیو بند میں یا کسی اور مدرسہ میں۔

فقہ وفتاوی

ادارہ

سوال......: راستے کے کیچڑ اگر کپڑے میں لگ جائیں تو اس کے ساتھ نماز پڑھنا کیسا ہے؟ کیا ان کو دھلے بغیر نماز پڑھ سکتے ہیں؟

جواب......: عموماً برسات موسم میں بار بار آنے جانے کی وجہ سے راستے میں جو کیچڑ اور اس کی چھینٹ جو کپڑے میں لگ جاتی ہے اس سے کپڑا ناپاک نہیں ہوتا، اس کو دھلے بغیر نماز پڑھنا درست ہے، البتہ اگر عین نجاست ہو تو پھر کپڑا ناپاک ہوجائے گا، اس صورت میں دھلے بغیر نماز پڑھنا درست نہ ہوگا۔

سوال......: عورت کے لئے عدت کے اندر کن کن امور کا اہتمام کرنا چاہیے اور شوہر کے مرنے کے بعد چوڑیوں کے پہننے کا کیا حکم ہے؟

جواب ......: بناؤ سنگار نہ کرے، زیور و خوشبو کا استعمال نہ کرے، ریشمی و بھڑکیلے کپڑے نہ پہنے، زیب و زینت اختیار نہ کرے، بلاضرورت شدیدہ مکان سے باہر نہ نکلے، اور ضرورتِ شدیدہ پر جب نکلیں تو جلد واپس آجائے، رات اسی مکان میں گزارے، زیادہ سے زیادہ اوقات عبادات میں مشغول رہے۔

علی المبتوتة والمتوفی عنها زوجها ....الحداد، الاجتناب عن الطیب والدهن والکحل والحفا والخضاب ولبس المطیب والمعصر (عالگمیری)

حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ:

ان النبی ﷺ قال لایحل لامرأة تومن بالله والیوم الآخر ان تحد علی میت فوق ثلث الا علی اربعة اشهر وعشرا۔ چونکہ زیب و زینت درست نہیں ہے اسلئے شوہر کی وفات پر چوڑیاں بھی اتار دے۔

سوال......: عدت میں کن کن لوگوں سے پردہ ضروری ہے اور کن لوگوں سے بات چیت کرنا درست ہے؟

جواب......: عام طور پر لوگ سمجھتے ہیں کہ عام دنوں اور عدت کے دنوں میں پردے کے احکام میں کچھ فرق ہے حالانکہ عدت اور عام دنوں کے پردے میں کچھ فرق نہیں ہے ہر حال میں نامحرم مردوں سے پردہ کرنا لازم و ضروری ہے اور نامحرم مردوں سے بات چیت بھی درست نہیں ہے: "**یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَ بَنٰتِكَ وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ۔**" (سورہ احزاب ۵۹)

سوال......: چست لباس پہننا کیسا ہے، آج کل چست کپڑے پہننا ایک فیشن بن گیا ہے؟

جواب......: لباس پہننے کا اصل مقصد ستر چھپانا ہے شریعت مطہرہ نے عورتوں کو مکمل بدن ڈھانپنے کا پابند کیا ہے

،اسی لئے عورتوں کو اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ اگر کسی ضرورت شدیدہ پر گھر سے باہر نکلیں تو مکمل پردے کے ساتھ نکلیں تا کہ ان کے جسم کا کوئی حصہ نظر نہ آئے ،لہٰذا ایسا لباس پہننا جو جسم کے پوشیدہ اعضاء کی نمائش کا باعث ہو بے شرمی و بے حیائی کی انتہاء ہے، ایسا لباس پہننا ہرگز درست نہیں ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسی عورتوں کے لئے بہت سخت وعید بیان فرمائی ہے، فرمایا ''ایسی عورتیں جو کپڑے پہننے کے باوجود ننگی ہوں گی ،دوسروں کو اپنی طرف اور خود دوسروں کی طرف مائل ہونے والی ہوں گی جنت کی بو بھی ان تک نہیں پہنچے گی۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لعن اللہ الکاسیات العاریات (موطا مالک علیہ الرحمۃ مایکرہ للنساء من الثیاب)

عن میمون بن مہران قال: لا بأس بالحریر و الدیباج للنساء انما یکرہ لھن مایصف او یشف (ابن ابی شیبہ کتاب اللباس و الزینۃ)

اس کے علاوہ بہت سے دنیاوی نقصانات بھی ہیں، بعض صورتوں میں اس کا اثر معدے کے افعال پر پڑتا ہے، نظام ہاضمہ متاثر ہوتا ہے، چست لباس سے بعض جلدی امراض بھی لاحق ہو سکتے ہیں وغیرہ وغیرہ غرض چست و تنگ لباس میں دینی و دنیاوی دونوں طرح کے نقصانات ہیں۔

سوال......: چاندی کے علاوہ پیتل یا کسی اور دھات کی انگوٹھی پہننا کیسا ہے؟ اگر چاندی کی انگوٹھی پہنے تو کتنے وزن کی درست ہے؟

جواب......: چاندی کے علاوہ کسی اور دھات کی انگوٹھی ،چھلہ وغیرہ مردوں کے لئے ہرگز جائز نہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیتل کی انگوٹھی پہنے ہوئے شخص سے فرمایا کہ مجھے تم سے بت کی بو آرہی ہے، تو اس نے پھینک دی پھر وہ لوہے کی انگوٹھی پہن کر آیا، تو آپ نے فرمایا کہ میں تمہارے اوپر جہنمیوں کے زیور دیکھ رہا ہوں، تو اس نے وہ بھی پھینک دیا اور پوچھا اے اللہ کے رسول میں کس چیز کی انگوٹھی پہنوں تو آپ نے فرمایا چاندی کی وہ بھی ایک مثقال سے کم۔

اسلئے مرد کیلئے چاندی کے علاوہ پیتل، لوہا، تانبا یا کسی اور دھات کی انگوٹھی پہننا جائز نہیں:

''ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال لرجل علیہ خاتم من شبہ مالی اجد منک ریح الاصنام ،فطرحہ ،ثم جاء علیہ خاتم من حدید، فقال مالی اری علیک حلیۃ اھل النار، فطرحہ، فقال یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من ای شی اتخذہ؟ قال من ورق و لا تتمہ مثقالا۔ (مشکوۃ: ۳۷۸، کتاب اللباس)

افسانہ

قصہ چہار درویش

قسط:۱۲ از: میر امن دہلوی

(سیر دوسرے درویش کی:)

اتنے میں ایک خواجہ سرا معتبر سر پر سرپیچ اور گوش پیچ اور کمر بندی، باندھے ایک عصا سونے کا جڑاؤ ہاتھ میں اور ہاتھ اس کے کئی خدمت گار، معقول عہدے لیے ہوئے اس شان وشوکت سے میرے نزدیک آیا۔ ایسی ایسی مہربانی اور ملائمت سے گفتگو کرنے لگا کہ جس کا بیان نہیں کرسکتا۔ پھر بولا، اے میاں، اگر توجہ اور کرم کر اس مشتاق کے غریب خانے کو اپنے قدم کی برکت سے رونق بخشو تو بندہ نوازی اور غریب پروری سے بعید نہیں۔ شاید شہزادی سنے کہ کوئی مسافر یہاں آیا تھا۔ اس کی تواضع مدارت کسے نے نہ کی، وہ یوں ہی چلا گیا۔ اس واسطے واللہ اعلم مجھ پر کیا آفت لاوے اور کیسی قیامت اٹھاوے، بلکہ حرف زندگی پر ہے۔ میں نے ان باتوں پر نہ مانا۔ تب خواہ مخواہ منتیں کر کر کے میرے تئیں اور ایک حویلی میں، کہ پہلے مکان سے بہتر تھی، لے گیا۔ اسی پہر شربت اور تفنن کی خاطر میوے کھلائے اور باسن نقرئی وطلائی فرش فروش اور اسباب جو کچھ وہاں تھا، مجھ سے کہنے لگا کہ ان سب کے تم مالک مختار ہو۔ جو چاہو سو کرو۔ میں یہ باتیں سن کر حیران ہوا اور چاہا کہ کسی نہ کسی طرح یہاں سے رخصت ہو کر بھاگوں۔ میرے بشرے کو دیکھ کر وہ محلی بولا اے خدا کے بندے، جو تیرا مطلب یا آرزو ہو، سو مجھ سے کہہ، تو حضور میں ملکہ کے جا کر عرض کروں۔ میں نے کہا۔ میں فقیری کے لباس میں دینا کا مال کیا مانگوں کہ تم بغیر مانگے دیتے ہو اور میں انکار کرتا ہوں۔ تب وہ کہنے لگا کہ حرص دنیا کی کسی کے جی سے نہیں گئی۔ چنانچہ کسو کب نے کبت کہا ہے:

نکھ بن کٹا دیکھے، سمیں بھاری جٹا دیکھے
جوگی کن پتھا دیکھے، چھار لائے تن میں
موتی انمول دیکھے، سیوڑا سر چھول دیکھے
کرت کلول دیکھے، بن کھنڈی بن میں
بیر دیکھے، سور دیکھے، سب گئی اور کوڑ دیکھے
مایا کہ پور دیکھے، پھول رہے، دھن میں
اوی انت سکھی دیکھے، جنم ہی کے دکھی دیکھے
پر دے نہ دیکھے، جن کے لوبھ ناہیں من من

میں نے یہ سن کر جواب دیا کہ یہ سچ ہے، پر میں کچھ نہیں چاہتا۔ اگر فرماؤ تو ایک رقعہ سربہ مہر اپنے مطلب کا لکھ کر دوں، جو حضور ملکہ کے پہنچادو، تو بڑی مہربانی ہے، گویا تمام دنیا کا مال مجھ کو دیا۔ بولا بسر وچشم کیا مضائقہ میں نے ایک رقعہ لکھا، پہلے شکر خدا کیا پھر احوال کہ یہ بندہ خدا کا کئی روز سے اس شہر میں وارد ہے اور سرکار سے سب طرح کی خبر گیری ہوتی ہے۔ جیسی خوبیاں اور نیک نامیاں ملکہ کی سن کر اشتیاق دیکھنے کا ہوا تھا، اس سے چار چند پایا۔ اب حضور کے ارکان دولت یوں کہتے ہیں کہ جو مطلب اور تمنا تیری ہو، سو ظاہر کر۔ اس واسطے بے حجابانہ جو جو دل کی آرزو ہے، سو عرض کرتا ہو کہ دنیا کے مال کا محتاج نہیں۔ اپنے ملک کا میں بھی بادشاہ ہوں۔ فقط یہاں آنا اور محنت اٹھانا آپ کے اشتیاق کے سبب سے ہوا، جو تن تنہا اس صورت سے آپہنچا۔ اب امید ہے کہ حضور کی توجہ سے خاک نشین مطلب دلی کو پہنچے لائق ہے۔ آگے جو مرضی مبارک۔ لیکن اگر یہ التماس خاکسار کا قبول نہ ہوگا، تو اسی طرح خاک چھنتا پھرے گا اور اس جان بے قرار کو آپ کے عشق میں نثار کرے گا۔ مجنوں اور فرہاد کی مانند جنگل میں یا پہاڑ پر مر رہے گا۔

یہی مدعا لکھ کر اس خوجے کو دیا۔ اس نے بادشاہ زادی تلک پہنچایا۔ بعد ایک دم کے پھر آیا اور میرے تئیں اور اپنے ساتھ محل کی ڈیوڑھی پر لے گیا۔ وہاں جا کر دیکھا تو ایک بوڑھی سی عورت صاحب لیاقت سنہری کرسی پر گہنا پاتا پہنے ہوئے بیٹھی ہے۔ اور کئی خوجے خدمت گار تکلف کے لباس پہنے ہوئے ہاتھ باندھے سامنے کھڑے ہیں۔ میں اسے مختار کا جان کر اور دیرینہ سمجھ کر دست بسر ہوا۔ اس ماما نے بہت مہربانی سے سلام کیا اور حکم کیا آؤ بیٹھو خوب ہوا تم آئے۔ تمہیں نے ملکہ کے اشتیاق کا رقعہ لکھا تھا؟ میں شرم کھا کر چپ ہو رہا اور سر نیچا۔

ایک ساعت کے بعد بولی کہ اے جوان! بادشاہ زادی نے سلام کہا اور فرمایا کہ مجھ کو خاوند کرنے سے عیب نہیں۔ تم نے میری درخواست کی، لیکن اپنی پادشاہت کا بیان کرنا اور اس فقیری میں اپنے تئیں پادشاہ سمجھنا اور اس کا غرور کرنا نپٹ بے جا ہے۔ اس واسطے کہ سب آدمی آپس میں فی الحقیقت ایک ہیں، لیکن فضیلت دین اسلام کی البتہ ہے اور میں بھی ایک مدت سے شادی کرنے کی آرزومند ہوں، اور جیسے تم دولت دنیا سے بے پروا ہو، میرے تئیں بھی حق تعالیٰ اتنا مال دیا ہے کہ جس کا کوئی حساب نہیں۔ پر ایک شرط ہے کہ پہلے مہر ادا کر لو، اور مہر شاہ زادی کا ایک بات ہے جو تم سے ہو سکے۔

میں نے کہا۔ میں سب طرح حاضر ہوں۔ جان و مال سے دریغ نہیں کرنے کا۔ وہ بات کیا ہے؟ کہو تو میں سنوں۔

تب اس نے کہا آج کے دن رہ جاؤ کل تمہیں کہہ دوں گی۔ میں نے خوشی سے قبول کیا اور رخصت ہو کر باہر آیا۔

دن تو گزرا، جب شام ہوئی تو اکابر عالم اور فاضل صاحب شرع حاضر ہیں، میں بھی اس جلسے میں جا کر بیٹھا۔ اتنے میں دسترخوان بچھایا گیا۔ اور کھانے اقسام اقسام کے شیریں اور نمکین چُنے گئے۔ وہ سب کھانے لگے تو مجھے بھی تواضع کر کر شریک کیا۔ جب کھانے سے فراغت ہوئی ایک دائی اندر آئی اور بولی کہ بہروز کہاں ہے؟ اسے بلاؤ۔ یسادلوں نے وونہیں حاضر کیا۔ اس کی صورت میں بہت مرد آدمی کی سی اور بہت سی کنجیاں روپے سونے کی کمر میں لٹکی ہوئیں۔ سلام علیک کر کے

میرے پاس آ کر بیٹھا۔ وہی دائی کہنے لگی کہ اے بہروز! تُو نے جو کچھ دیکھا ہے مفصل اس کا بیان کر۔

بہروز نے یہ داستان کہنی شروع کی اور مجھ سے مخاطب ہو کر بولا اے عزیز ہماری پادشاہ زادی کی سرکار میں ہزاروں غلام ہیں کہ سوداگری کے کام انہیں متعین ہیں۔ ان میں سے ایک میں بھی ادنا خانہ زاد ہوں۔ ہر ایک ملک کی طرف لاکھوں روپے کا اسباب اور جنس دے کر رخصت فرماتی ہیں، جب وہ وہاں سے پھر آتا ہے تب اس سے اس دیس کا احوال اپنے حضور میں پوچھتی ہیں اور سنتی ہیں۔ ایک بار یہ اتفاق ہوا کہ کم ترین تجارت کی خاطر چلا اور شہر نیم روز پہنچا۔ وہاں کے باشندوں کے دیکھا تو سب کا لباس سیاہ ہے اور ہر دم نالہ وآہا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان پر کچھ بڑی مصیبت پڑی ہے۔ اس سبب جس سے میں پوچھتا کوئی جواب میرا نہ دیتا۔

ایسی حیرت میں کئی روز گزرے۔ ایک دن جونہیں صبح ہوئی۔ تمام آدمی چھوٹے بڑے، لڑکے بوڑھے غریب، غنی، شہر کے باہر چلے۔ ایک میدان میں جا کر جمع ہوئے، اور اس ملک کا بادشاہ بھی سب امیروں کے ساتھ سوار ہوا اور وہاں گیا۔ تب سب برابر قطار باندھ کر کھڑے ہوئے۔

میں بھی ان کے درمیان کھڑا تماشا دیکھتا تھا۔ پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ سب کسو کا انتظار کھینچ رہے ہیں۔ ایک گھڑی کے عرصے میں دور سے ایک جوان پری زاد صاحب جمال پندرہ سولہ برس کا سن وسال، غل اور شور کرتا ہوا اور کف منہ سے جاری زرد بیل کی سواری، ایک ہاتھ میں کچھ لئے مقابل خلق اللہ کے آیا اور اپنے بیل پر سے اترا۔ ایک ہاتھ میں ناتھ اور ایک ہاتھ میں ننگی تلوار لے کر دوزانو بیٹھا۔ ایک گل اندام، پری چہرہ اس کے ہمراہ تھا۔ اس کو اس جوان نے وہ چیز جو ہاتھ میں تھی دی وہ یتیم لے کر ایک سرے سے ہر ایک کو دیکھا تا جاتا تھا' لیکن یہ حالت تھی کہ جو کوئی دیکھتا تھا بے اختیار دھاڑ مار کر روتا تھا۔ اسی طرح سب کو دکھاتا اور رلاتا ہوا سب کے سامنے سے ہو کر اپنے خاوند کے پاس پھر گیا۔

اس کے جاتے ہی وہ جوان اٹھا اور غلام کا سر شمشیر سے کاٹ کر اور سوار ہو کر جیدھر سے آیا تھا، اودھر کو چلا۔ سب کھڑے دیکھا کئے۔ جب نظروں سے غائب ہوا لوگ شہر کی طرف پھرے۔ میں ہر ایک سے اس ماجرے کی حقیقت پوچھتا تھا بلکہ روپیوں کا لالچ دیتا اور خوشامد منت کرتا کہ مجھے ذرا بتا دو کہ یہ جوان کون تھا؟ اور اس نے یہ کیا حرکت کی۔ اور کہاں سے آیا اور کہاں گیا؟ ہرگز کسی نے نہ بتلایا اور نہ کچھ میرے خیال میں آیا۔ یہ تعجب دیکھ کر جب میں یہاں آیا اور ملکہ کے روبرو اظہار کیا۔ تب سے پادشاہ زادی بھی حیران ہو رہی ہے اور اس کے تحقیق کرنے کی خاطر دودلی ہو رہی ہے۔ لہٰذا مہر اپنا یہی مقرر کیا ہے کہ جو شخص اس عجوبے کی کماحقہٗ خبر لاوے، اس کو پسند فرماوے اور وہی مالک سارے ملک کا اور ملکہ کا ہووے۔

(جاری)

جامعۃ السعادۃ واسعاد البنات کیرانہ

شاخ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

''جامعۃ السعادۃ'' مغربی یوپی کے مردم خیز قصبہ ''کیرانہ، شاملی'' کا ایک عظیم ومنفرد ادارہ ہے۔ جس کے مقاصد میں سے قرآن وحدیث کی ترویج واشاعت کے ساتھ، ایسے باصلاحیت رجال کار تیار کرنا ہے، جوملت اسلامیہ کی علمی، دینی اور فکری قیادت کا فریضہ انجام دے سکیں اور اپنی خوابیدہ قوم کو بیدار کرسکیں۔

یہ ادارہ ۱۴۲۸ھ سے علم کی شمع جلانے اور اس کی لو کو تیز کرنے میں مصروف ہے، بچوں اور بچیوں کی تعلیم پر خصوصی توجہ، عربی، اردو اور انگریزی زبان بولنے ولکھنے کی ان کے اندر صلاحیت پیدا کرنے اور صحیح ڈھنگ سے ان کی تربیت کرنے، نیز عوام الناس میں دینی بیداری پیدا کرنے اور انہیں اسلامی تعلیمات سے واقف کرانے کے لئے اس کے خصوصی تعلیمی وتربیتی پروگرام اور انتہائی علمی ووقیع ماہ نامہ ''تحقیقات اسلامی'' کی پابندی کے ساتھ اشاعت ایسے کارنامے ہیں کہ کم ہی ادارے اس قلیل مدت میں اس منزل کو حاصل کرپاتے ہیں۔ جامعہ کی مستقل اپنی انتہائی خوبصورت ودیدہ زیب دومنزلہ عمارت ہے، جس میں تعلیمی، تربیتی اور دعوتی ۱۴؍شعبے قائم ہیں۔ طلبہ کی ایک کثیر تعداد دارالاقامہ میں مقیم ہے جن کے قیام وطعام اور لباس وفوری علاج کا جامعہ میں انتظام ہے اور دیگر ہر طرح کی سہولیات انہیں فراہم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

جامعہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے ملحق ہے، اور دار العلوم ندوۃ العلماء ہی کے نصاب کے مطابق ثانویہ اولیٰ سے عالیہ ثانیہ تک کی تعلیم کے ساتھ حفظ مع تجوید، ناظرہ قرآن کریم، دینیات اور حکومت ہند سے منظور شدہ: **جامعۃ السعادۃ للدارین پبلک اسکول** کے تحت درجہ آٹھ تک کی تعلیم ماہر اساتذہ کی نگرانی میں جاری ہے۔

جب کہ بچیوں کی خصوصی تعلیم وتربیت کے لئے علاحدہ سے ''جامعہ اسعاد البنات'' قائم ہے۔ اس کی بھی دومنزلہ انتہائی محفوظ، خوبصورت اور ہر طرح کی سہولیات سے مزین عمارت ہے۔ بچیوں کی نگرانی اور ان کی تعلیم وتربیت کے لئے باصلاحیت عالمائیں مامور ہیں، یہ ادارہ بھی ندوۃ العلماء سے ملحق ہے۔ جس میں ندوہ ہی کے نصاب ونظام کے مطابق از درجہ پرائمری تا دورہ حدیث شریف کی تعلیم جاری ہے، ساتھ ہی کمپیوٹر اور دست کاری (سلائی، کڑھائی، امور خانہ داری) بھی سکھائی جاتی ہے۔

جامعہ کی مستقل آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ مخیّر حضرات سے اپیل ہے کہ صدقات، زکوٰۃ اور عطیات کی رقوم سے جامعہ کا تعاون فرمائیں۔ **ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین**

محمد عرفان ثاقب قاسمی
محلہ ابراہیم پورہ (آل کلاں) شاملی روڈ، کیرانہ ضلع شاملی۔ یوپی 247774
رابطہ نمبر: 9359602830 / 09319530768

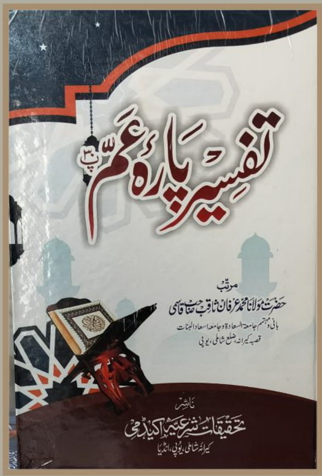

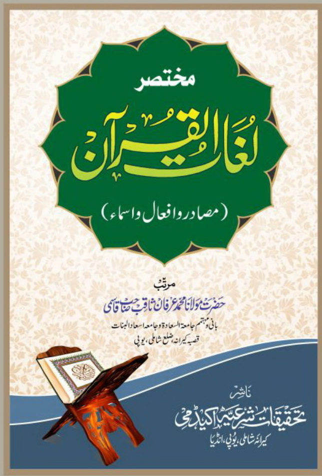

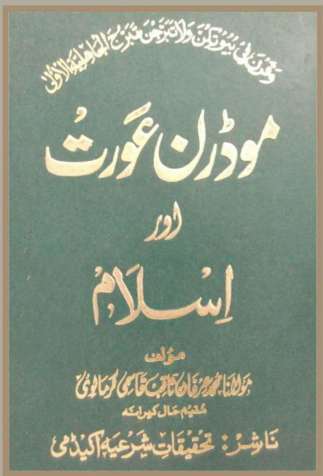

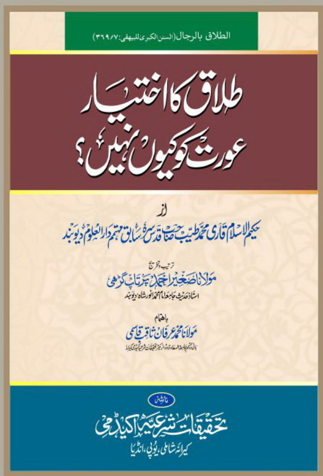

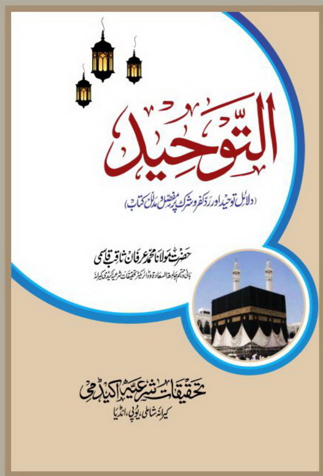

JAMIATUS SA'ADAH

Moh.Ibrahim Pura, (Aal Kalan) Shamli Road,
Kairana, Distt. Shamli U.P Pin: 247774
Mob: 09359602830, 09319530768